الله
رسول
محمد

قد افلح من تزکّٰی وذکر اسم ربه فصلّٰی

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

اگست
2009ء

المُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَه، مُجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے (الحدیث)

ماہنامہ

المرشد

جو اللہ کی مخلوق کے حقوق سلب کرتا ہے۔ ان پر ظلم کرتا ہے۔ وہ فسادی ہے اور اللہ کی زمین پر فساد کرنے والا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ کرتا ہے۔

امیر محمد اکرم اعوان

اداریہ

اس وقت پوری پاکستانی قوم طرح طرح کی پریشانیوں میں مبتلا ہے۔مسائل حل ہونا تو درکنار ان کی شدت میں کوئی کمی واقع نہیں ہو رہی مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی ہے۔آلو اور ٹماٹر جیسی سبزیاں جن کے بغیر غریب کا گزارا نہیں ساٹھ روپے فی کلو تک جا پہنچی ہیں۔اسی طرح دالوں کے نرخ 80 سے 120 روپے فی کلو ہو گئے ہیں۔شدید گرمی میں لوڈ شیڈنگ کا عذاب برداشت کرنے والے عوام کو جب بجلی کے بل ملتے ہیں تو ان کے دلوں پر جو گزرتی ہے اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔مسائل کے انبار میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔جب کہ ہماری حکومت ٹس سے مس نہیں ہو رہی۔حکمرانوں کو غیر ملکی دوروں ہی سے فرصت نہیں ملتی۔وہ امپورٹڈ سوٹ پہن کر ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں میٹنگ کرنے میں مصروف ہیں اور انہی میٹنگوں کے ذریعے عوام کے مسائل حل کرنا چاہتے ہیں جو ممکن نہیں۔عوام کو اعلیٰ عدلیہ سے کچھ امیدیں ہیں لیکن عدلیہ کا دائرہ کار محدود ہے۔ایک ہمہ گیر کی تبدیلی اور سماجی انقلاب کے لیے پاکستان کے عوام اب کسی مسیحا کے منتظر ہیں۔قوم منتظر ہے کہ کون اس کا نجات دہندہ بنے گا۔سترہ کروڑ پاکستانیوں کے دکھ درد کون ختم کرے گا۔عوام کی بدنصیبی یہ ہے کہ ملک کے سیاسی افق میں وہی لوگ چھائے ہوئے ہیں۔جنہیں قوم بار بار آزما چکی ہے۔ایک بار پھر وہی لوگ برسر اقتدار ہیں جو اس سے پہلے بھی عوام کو دھوکہ دے چکے ہیں جبکہ حزب اختلاف کا محاذ بھی وہی لوگ سنبھالے ہوئے ہیں جن کی لوٹ مار کے قصے زبان زدِ عام ہیں۔یہ صورتحال ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ہمارے دین کی تعلیم اور تاریخ کا مطالعہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ کسی ملک کی قیادت ویسی ہی ہوتی ہے جیسے وہاں کی عوام ہوتی ہے۔حکمرانوں کا کردار عوام کے کردار کا عکس ہوا کرتا ہے۔ہمیں دیانت دار، نیک اور صاحب بصیرت حکمران نصیب نہیں ہوتے تو ہمیں اپنے قومی کردار کا بھی جائزہ لینا ہوگا۔ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ہم بطور انسان کیسا کردار رکھتے ہیں۔یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں لوگ عبادات پر تو بہت زور دیتے ہیں لیکن معاملات میں ان کا رویہ قطعی غیر اسلامی ہوتا ہے۔لوگ حج اور عمرے کر لیتے ہیں لیکن کاروبار میں بددیانتی اور رشتہ داروں، عزیزوں کی حق تلفی سے باز نہیں آتے۔جھوٹ اور وعدہ خلافی ہماری قومی عادت ہے۔مسجدیں نمازیوں سے بھری ہوئی ہیں لیکن ظلم کا سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ہمیں اپنے کردار کی اصلاح کرنی ہوگی۔ہم اچھے انسان بن جائیں گے تو ہمیں اچھے لیڈر بھی مل جائیں گے کیونکہ لیڈر شپ خلا میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ معاشرے ہی سے ابھرتی اور نمایاں ہوتی ہے۔

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر — نشانِ منزل — کونسی ایسی بات ہوئی ہے — سوچ سمندر — متاعِ فقیر — آس جزیرہ — دیدہ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

"میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہئے کہ یہ اشعار ہیں یا نہیں' اس کی مجھے خبر نہیں' اس لئے کہ میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سیکھا یا کم' سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضِ نظر ہے اور اس کے سارے سقم کی ذمہ داری میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو چاہتا ہوں وہ کہہ سکا ہوں اور جو کہہ گیا ہوں وہ کسی کی سمجھ میں آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کرلیا کہ بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔"

نعت

تیری یادوں کا چمن دل میں بسایا میں نے
راز جینے کا تیری یاد سے پایا میں نے

بوسے مٹی نے دیئے تیرے قدم کو آقا
خاکِ بطحا کو ہے آنکھوں سے لگایا میں نے

مجھے معلوم ہے لپٹا تھا یہ تجھ سے آقا
درِ کعبہ کو بھی سینے سے لگایا میں نے

میں تو ذرہ ہوں میری ذات میں کیا رکھا ہے
تیری نسبت ہی سے پایا ہے جو پایا میں نے

دیکھوں اسی شہرِ مقدس کی جھلک پھر اک بار
رختِ بے مایہ ہے کاندھے پہ اُٹھا میں نے

نام تیرا ہی تھا لب پر دمِ رخصت میرے
مالِ دنیا سے یہ سیماب کمایا میں نے

اقوالِ شیخ

☆......تو پھر کسی شخص کا حضور ﷺ کے بعد صحابہؓ سے تابعین سے تبع تابعین سے اولیاء اللہ سے فائدہ حاصل کرنا تب ہی ممکن ہے جب اس کے دل میں سوائے اللہ کی رضا کے طلب کے کوئی دوسرا مقصد نہ رہے۔ اگر جاہ طلبی دنیا طلبی دولت کی طلب یا عہدے کی طلب یا ذاتی وقار واقتدار کی خواہش ہوگی۔

☆......کم ازکم عمل اگر ہم کھرے نہیں کر سکتے تو دل کو تو کھرا رکھیں اور غلطی کو غلطی سمجھیں گناہ کو گناہ سمجھیں۔

☆......حضور ﷺ کے حکم کو ماننے کی حضور ﷺ کی غلامی کرنے کی جہاں سے چھوٹ جائے وہاں دکھ تو لگے کہ مجھ سے حضور ﷺ کی غلامی کیوں چھوٹی۔ اگر یہ احساس مر گیا تو سمجھو کہ آدمی کے دونوں جہان تباہ ہو گئے۔

☆......برکات نبوت کا کمال یہ ہے کہ رخ بدل جاتا ہے۔ دنیا کی طلب دوسرے درجے میں' ثانوی درجے میں چلی جاتی ہے اور قرب الٰہی کی طلب جو ہے وہ طلب اول ہو جاتی ہے۔

☆......ہر کام میں اپنی منزل پر نگاہ رکھے اور فانی لذات کے لیے' عارضی لمحوں کی مٹھاس کے لیے' دائمی اور ابدی راحتوں اور آسائشوں کو قربان نہ کرے۔

☆......جو شخص داعی بن جائے یا دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کرنے لگے۔ اس کے لیے گناہوں سے بچنا سہل فرما دیا جاتا ہے۔

☆......جس مجلس، جس محفل میں ہم پہنچیں وہاں دعوت الی اللہ ہمارے ساتھ پہنچے اور کوئی مجلس ایسی نہیں ہونی چاہیے کہ جس میں اللہ کی عظمت کا اور حضور ﷺ کی رحمت کا ذکر نہ ہو۔

☆......جنہیں اللہ کریم عظمتیں' بلندیاں یا رحمتیں عطا فرماتا ہے۔ وہ دوسروں کے لیے' ایک عالم کے لیے زندہ رہتے ہیں۔ اور ان کی زندگی پر بیشمار زندگیوں کا مدار ہوتا ہے۔

یہ جو ہمارے جذبے ہنگامی اور وقتی ہیں' انہیں دین کا نام دینا درست نہیں ہے۔ یہ ہماری ذاتی انا کے مسئلے ہیں۔ بعض اوقات تو ہمارے اپنے دنیوی امور ایسے ہوتے ہیں کہ کسی سے رنجش ہوتی ہے تو مذہب کی آڑ لے کر اس کے مقابلے پہ آ جاتے ہیں۔

طریقہ ذکر

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ اُس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کہا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز رہے اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ:- ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کیلئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پہ لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات "اللہ" قلب کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ "ھو" کی چوٹ عرش عظیم سے جا کر ٹکرائے۔

سالانہ اجتماع

دار العرفان منارہ' چکوال

ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ دار العرفان منارہ میں

سالانہ 4 جولائی 2009ء بروز ہفتہ سے

اجتماع

شروع ہو رہا ہے

اجتماع 9 اگست 2009ء

بروز اتوار تک جاری رہیگا

چھوٹے بچوں کو ساتھ لانا سختی سے منع ہے۔

تزکیہ نفس کے لئے صحبت شیخ لازمی ہے، سلوک میں صحیح راہنمائی، باقاعدہ تربیت حاصل کرنے اور آگے ترقی کیلئے اس اجتماع میں آپ کا شامل ہونا ضروری ہے۔ اس اجتماع کا مقصد ہی یہ ہے کہ سالکین کی صحیح اور باقاعدہ تربیت کے ساتھ ساتھ صحبت شیخ بھی نصیب ہو تا کہ آپ کے قلوب ان انوارات و برکات سے روشن ہو جائیں جو صرف صحبت شیخ سے ہی نصیب ہوتی ہیں۔

اجتماع کا مقصد اللہ کے ہونے کا یقین

امیر محمد اکرم اعوان

دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 05-07-2009

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ و السلام علی حبیبہ محمد و الہ واصحابہ اجمعین O

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم O

بسم اللہ الرحمن الرحیم O

ومن ینتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لایحتسب (الطلاق 2تا3)

الحمد اللہ کریم نے توفیق بخشی اور ایک مرتبہ پھر اس حیات مستعار میں ہمیں یہ سالانہ اجتماع نصیب ہوا زندگی کے سب سے قیمتی لمحے وہی ہیں جو اللہ کے گھر میں اور اللہ کی یاد میں بسر ہوتے ہیں لیکن یاد رہے ہر کام کا مقصد متعین ہوتا ہے جس طرح دنیوی امور میں مقصد کا تعین کر کے کام کیا جاتا ہے کہ اگر سفر کرنا ہے تو اس کا کوئی مقصد ہے کاروبار کا مقصد منافع کمانا ہے ملازمت کا مقصد روزی حاصل کرنا ہے کھیتی باڑی یا مزدوری کرنے کا مقصد بھی متعین ہوتا ہے کہ روزی حاصل کرنا اور بچے پالنا ہے اسی طرح دینی امور کا بھی مقصد متعین ہونا چاہئے لیکن ہوتا یہ ہے کہ دنیوی امور میں تو ہر مقصد متعین ہوتا ہے دینی امور میں مقصد متعین کرنے میں بہت کوتاہی ہوتی ہے حتیٰ کہ جو عبادات فرائض ہیں ان میں بھی مقصد کا تعین نہیں ہوتا مثلاً احباب یہ کہتے ہیں کہ وہ اگرچہ صلوٰۃ پنجگانہ کے پابند ہیں پھر بھی اولاد بے روزگار ہے۔ مقام حیرت ہے کہ روزگار کا اور صلوۃ کا کیا ربط ہے؟ صلوۃ تو فرض ہے جب کسی نے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا تو صلوٰۃ تو اس کے فرائض میں آ گئی وہ تو اسے ادا کرنا ہے ادائیگی فرض کا اولاد کے روزگار سے کیا تعلق؟ یعنی صلوۃ کا یہ تو کوئی مقصد نہیں کہ صلوۃ پنجگانہ ادا کریں گے تو اولاد برسر روزگار ہو جائے گی، صحت ٹھیک ہو جائے گی یا کاروبار چل پڑے گا۔ یہ غلط فہمی اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ دین کے معاملے میں ہمیں اپنی منزل کا پتہ ہی نہیں ہوتا۔ کہیں پر اگر پانچ سو افراد جمع ہوں تو ہر ایک کی منزل الگ ہے کوئی یہ نیت کر کے آتا ہے کہ وہاں جا کر صحت ٹھیک ہو جائے گی کچھ روزگار میں بہتری کے لئے اور کچھ دیگر اسی قسم کی تمناؤں کے پورا ہونے کی آرزو سے جمع ہوئے ہیں اور یہی بنیادی غلطی ہے جس کی اصلاح ہونا ضروری ہے۔

اسلام اور مذاہب باطلہ میں ایک بنیادی فرق ہے۔ اسلام اخروی اور دائمی زندگی کو بنیاد قرار دیتا ہے اور دنیا میں انجام دینے والے تمام ضروری امور کو انجام دیتے ہوئے آخرت پیش نظر رکھنا سکھاتا ہے اور یہ تربیت دیتا ہے کہ شادی کرنے، اولاد کی پرورش کرنے روزی کمانے سے لیکر لباس پہننے اور معمولات زندگی ادا کرنے تک ہر کام اس انداز سے کیا جائے کہ دنیا تو ملتی ہی رہے ساتھ ہی آخرت کی تعمیر بھی ہوتی رہے اور اگر خدانخواستہ اس میں نقصان ہو تو دنیا کا ہو کہ وہ قابل برداشت' لیکن آخرت کا نہ ہو کہ وہ دائمی ہے اور نا قابل برداشت بھی۔ اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ رزق میں حرام شامل نہ ہو' باتوں میں جھوٹ شامل نہ ہو اور خواہشات میں رضائے الٰہی ہو۔ نظریہ وعقیدہ علم وعمل میں کہیں بھی شیطانی توہمات داخل نہ ہو جائیں۔

مذاہب باطلہ کی بنیاد ہی اس بات پر ہے کہ پوجا پاٹ کرنے سے دنیاوی مفادات حاصل ہوتے ہیں' لہٰذا ان کے ہاں مختلف رسومات رائج ہیں۔ کسی رسم کے نتیجے میں دنیا کی کوئی ضرورت وابستہ ہوتی ہے اور کسی چلّے اور وظیفے کے نتیجے میں کوئی دوسری ضرورت وابستہ کی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ مومن کی دنیا بھی دین ہے یعنی مومن تو دنیا کے کام بھی آخرت کو مدنظر رکھ کر کرتا ہے' لہٰذا مومن کی دنیا بھی دین ہے جبکہ کافر کا دین بھی دنیا ہے کہ وہ جو

رسومات عبادات کے نام پر ادا کرتا ہے' وہ بھی حصول دنیا کیلئے کرتا ہے۔ دین حق اور مذاہب باطلہ میں یہ بنیادی فرق ہے۔

اب رہی یہ بات کہ ہم کسی کو استاذ' قابل یا اہل سمجھ کر اس کے پاس جاتے ہیں' تو ہمارا وہاں جانے کا مقصد کیا ہے اور ہم وہاں سے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کسی کا مقصد بچہ ملازم کرانا ہے تو اس کیلئے یہاں بے آرام ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ کام تو کسی دنیا دار کی منت کر کے کسی ایم پی اے یا ایم این اے کی سفارش سے بھی ہو جائے گا اور اب تو لحاظ ملاحظہ کی سفارش سے بات اوپر نکل گئی ہے اور ہر چیز بازار میں بکتی ہے۔ نااہل کو نوکری رشوت سے مل جاتی ہے اور جھوٹ بول کر سب کام کروالئے جاتے ہیں۔ یہاں تو ہر چیز برائے فروخت ہے' جس کی ہمت پڑتی ہے وہ خرید لیتا ہے۔

قرآن حکیم نے جو مقصد متعین کیا ہے' وہ بہت خوبصورت ہے اور اللہ نے اسے طے کر دیا ہے اور قرآن حکیم میں سورۃ الطلاق میں ارشاد فرماتا ہے: "ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا" جسے اللہ سے تقویٰ نصیب ہو گیا اس کے سارے کام ہو گئے یجعل لہ مخرجا اس کیلئے ہر طرح کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ دنیا و آخرت دونوں کے مسائل حل ہونے کیلئے راستے بنتے چلے جاتے ہیں۔ دنیوی مصائب و مسائل سے نکلنے کی راہیں کھل جاتی ہیں اور اخروی منزل یعنی عندالموت' سکرات الموت قبض روح کی تلخیوں سے بچنے کا راستہ مل جاتا ہے۔ قبر' عذاب قبر' سوال وجواب کی منزل بڑی مشکل ہے۔ اللہ اس میں بھی عافیت کا راستہ بنا دیتا ہے۔ پھر میدان حشر میں اللہ کی بارگاہ میں حاضری اور جوابدہی بہت مشکل وقت ہے۔ اللہ اس میں بھی کامیابی کا راستہ عطا کر دیتا ہے یعنی اللہ تمام اُخروی مشکلات میں آسانی اور عذاب الٰہی سے نجات کا راستہ بنا دیتا ہے لیکن کس کو؟ من یتق اللہ جس کا تعلق رب جلیل سے استوار ہو جائے جسے تقویٰ نصیب ہو جائے۔

قرآن حکیم عربی زبان میں ہے اور کسی بھی زبان میں جب ترجمہ کیا جاتا ہے تو عربی الفاظ کا مکمل مفہوم کسی ایک لفظ میں ادا ہونا مشکل ہوتا ہے' اس لئے کہ عربی وسیع المعانی زبان ہے اور دیگر زبانیں محدود ہیں۔ وہ عربی الفاظ کے ترجمے کا حق ادا نہیں کر سکتیں یہی وجہ ہے کہ فارسی اور اردو تراجم میں لفظ تقویٰ کا معنی ڈر لکھا گیا ہے' جو کسی طور تقویٰ کے مفہوم کو پیش نہیں کرتا۔ مثلاً "ڈر" کئی قسم کا ہوتا ہے موذی جانوروں' درندوں کا ڈر' چور اور ڈاکو کا ڈر۔ تقویٰ میں جس ڈر کا مفہوم ہے وہ محبت کے رشتے اور تعلق کے ٹوٹ جانے کا ڈر ہے جیسے اولاد سے محبت ہوتی ہے اور اس کی ہر چھوٹی بڑی خواہش پوری کرنا اچھا لگتا ہے اور کبھی پوری نہ کر سکیں تو ان کے دل ٹوٹ جانے کا ڈر ہوتا ہے۔ ان کے روٹھ جانے کا ڈر رہتا ہے۔ بچہ باپ سے کسی چیز کی فرمائش کرے اور والد کسی وجہ سے پوری نہ کر سکے تو اس کے دل میں خلش رہتی ہے کہ بچہ خفا ہو جائے گا تو یہ ایسا ڈر نہیں ہے کہ بچے کی خفگی سے والد کی جان کو خطرہ ہے اور وہ اپنی جان بچانے کے ڈر سے بچے کی فرمائش پوری کرنا چاہتا ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ والد سے یہ بات برداشت ہی نہیں ہوتی کہ وہ بچے کو ناامید کرے یا کسی کو اپنے والدین' بھائیوں یا بزرگوں سے محبت ہو اور وہ کوئی بھی ایسا کام نہ کرے کہ جس سے اس رشتے میں دراڑ آنے کا خطرہ ہو۔ اس طرح کا رشتہ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر رشتہ اللہ کریم سے ہو جائے اور بندہ بولتے' سوچتے اور کچھ بھی کرتے وقت سوچنے لگے کہ کس طرح کے کام کروں کہ اللہ راضی ہو جائے اور کون سے کاموں سے رک جاؤں تا کہ اللہ کی ناراضگی نہ ہو۔ جب ایسی نسبت اللہ سے ہو جائے' تو اسے تقویٰ کہتے ہیں۔

ہمارے ہاں اردو' فارسی تراجم میں پہلے پہل جو ترجمہ کر دیا گیا' بعد کے تراجم میں انہی الفاظ کو بعینہٖ نقل کیا جاتا رہا۔ یہ بھی نہ دیکھا گیا کہ وہ الفاظ متروک ہو چکے ہیں اور اب مستعمل نہیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اردو کا دامن اتنا تنگ ہے کہ وہ عربی جیسی وسیع المعانی زبان کا ترجمہ کرنے کا حق ادا نہیں کر سکتی۔ عربی وہ زبان ہے' جسے اللہ نے اپنے کلام کیلئے پسند فرمایا ہے۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی زبان عربی ہے اور یہ زبان اللہ کو اتنی پسند ہے کہ اسے اہل جنت کی زبان مقرر فرما دیا ہے۔ عربی میں اتنی وسعت ہے کہ بعض اوقات ایک لفظ کے دو دو سو معانی مل جاتے ہیں اور بعض معنی ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں۔ ان معانی کا تعین اس وقت ہوتا ہے جب یہ الفاظ جملے میں استعمال ہوں۔ یہ عربی زبان کی خصوصیت ہے' مثلاً لفظ

مولیٰ کا معنی مالک بھی ہے اور غلام بھی۔ جب لفظ مولیٰ جملے میں استعمال ہوگا' تب اس کے معنی متعین ہوں گے کہ یہ مالک کے معنوں میں استعمال ہوا ہے یا غلام کے معنوں میں۔

تو فرمایا "من یتق اللّٰہ" جسے اللہ سے ایسا تعلق نصیب ہوگیا کہ بات کرتے ہوئے' کام کرتے ہوئے اسے یہ احساس رہا کہ اس بات سے اللہ کریم خفا تو نہیں ہو جائیں گے۔ یجعل لہ مخرجا اللہ کریم اس کیلئے راستے بنا دیں گے۔ دنیاوی مصائب سے نکلنے کے راستے بھی بنا دیں گے اور آخرت کے مصائب سے بچنے کا سامان بھی ہو جائے گا۔ ویرزقہ من حیث لایحتسب اور اسے کسی ایسی جگہ سے نعمتیں عطا ہوتی ہیں' جس کا اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔ وہ اس جگہ کے بارے سوچ بھی نہیں سکتا اور اسے وہ رزق ملتا ہے' جس کی اسے توقع ہی نہیں ہوتی۔ رزق سے مراد مال و دولت' سامان و آسائش ہی نہیں' بلکہ رزق سے مراد اللہ کی عطا ہے۔ عمر' زندگی' صحت' اولاد' گھر بار' کاروبار سب رزق میں شمار ہوتا ہے۔ دین وایمان' درد دل' دنیاوی و دینی اخروی علوم' معرفت الٰہی قرب الٰہی' دنیاوی عرصۂ حیات اور موت یہ سب اللہ کی عطا ہیں اور جو چیز اللہ کی طرف سے عطا ہوا اسے رزق کہتے ہیں۔ اللہ متقی کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ "ومن یتو کل علی اللہ فھو حسبہ ط" جس نے اللہ پر بھروسہ کیا' پھر اسے وہ کافی ہے اسے پھر کسی جگہ سے کوئی کمی نہیں ہوگی اس لئے کہ "ان اللہ بالغ امرہ ط" اللہ جو چاہتا ہے کر لیتا ہے' وہ ہر چیز پر غالب ہے وہ جو چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے کر لیتا ہے اسے نہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت ہے نہ اس کیلئے کوئی شئے رکاوٹ ہے۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے' لیکن یہ بات یاد رکھنا لازم ہے کہ "قد جعل اللہ لکل شیء قدرا" کہ نظام دنیا طے ہو چکا ہے۔ کائنات کی تخلیق سے پہلے اس کائنات کا نظام طے ہو چکا ہر شئے کا فیصلہ ہو چکا۔ انسانوں اور جنات کے پیدا ہونے سے پہلے ہی نظام کائنات کے بارے فیصلے ہو چکے لہٰذا ان فیصلوں کو نافذ ہونا ہے۔ انہیں میں اور آپ یا کوئی دوسرا کیسے بدل دے گا؟ کچھ نہیں بدلے گا وہی ہوگا' جو اسے منظور ہے۔ ہاں دیکھا یہ جائے گا کہ کون اللہ کی رضا پر راضی ہے اور کون اللہ کی رضا سے بیزار ہے۔ وہ اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کی تکمیل کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے اور غیر اللہ کے دروازے پر بھٹک رہا ہے اور ناجائز ذرائع استعمال کر رہا ہے۔

دنیا کے سب امور کا فیصلہ تو ہو چکا' لیکن اللہ نے ہاتھ پاؤں دیئے' عقل و شعور دیا اور وسائل پیدا فرما دیئے۔ دنیا کو عالم اسباب بنایا اور جائز وسائل اختیار کرنے کا حکم دیا۔ محنت کو لازم کیا لیکن نتائج انسانی بس سے باہر رکھے۔ نتائج وہ خود پیدا فرماتا ہے اور ایسا وہی کر سکتا ہے' جو سب کا خالق و مالک ہو' جس کی ہر شئے پر قدرت ہو جو ہر آن' ہر ایک سے باخبر ہو اور جو اپنی مخلوق کو سب سے بڑھ کر محبت کرنے والا ہو۔

جو لوگ اللہ سے تعلق بناتے ہیں' وہ حصول اقتدار کیلئے جائز وسائل اختیار کرتے ہیں اور مسنون طریقے سے کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اتباع کو ترجیح دیتے ہیں اور جن کا اپنے مالک سے کوئی تعلق نہیں بنتا' وہ بھٹکتے رہتے ہیں۔ کسی نے کہہ دیا اس طرح کر لو' کسی نے رشوت دینے کو کہہ دیا' کسی نے چوری کا مشورہ دے دیا تو وہ جائز ضروریات کی تکمیل کیلئے ناجائز وسائل کے پیچھے دربدر بھٹکتے رہتے ہیں' حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو جائز وسائل تقدیر الٰہی کو بدل سکتے ہیں نہ ناجائز وسائل بدل سکتے ہیں۔ اللہ کے فیصلوں کو کوئی نہیں بدل سکتا' دیکھا صرف یہ جائے گا کہ کس نے اپنے معاملات و معمولات زندگی میں اللہ کی اطاعت کی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اتباع کیا اور کس نے اللہ کی اطاعت سے منہ موڑا اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی چھوڑ دی۔ ہوگا وہی جو اللہ چاہتا ہے۔

انتظامی پہلو سے بھی دیکھا جائے تو اللہ کی اس حکمت کی سمجھ آتی ہے کہ ایک گھر میں اگر دس افراد ہیں' تو دس کی رائے مختلف ہوگی۔ اگر ہر ایک کی رائے کی پیروی کی جائے تو گھر تو چلنے سے رہا۔ گھر میں ایک بزرگ ہونا چاہیے جو سمجھدار ہو' مخلص ہو اور شفیق ہو۔ دوسرے کی رائے تو سنے لیکن فیصلہ اس کا ہو۔ گھر' ممالک اور اقوام کا یہی عالم ہے۔ ہر بندے کی ایک رائے ہوتی ہے لیکن اتھارٹی صرف ایک کی ہوتی ہے۔ اگر اتھارٹی رکھنے والا عقلمند اور مخلص ہو تو بہتری ہوتی ہے اور اگر وہ اتھارٹی ہی نااہل ہو تو قوموں

کے بیڑے ڈوب جاتے ہیں' لیکن بہرحال نظام اسی طرح چلتا ہے۔ ایک چھوٹے سے گھر کا نظام اگر اس طرح چلتا ہے تو اتنی وسیع کائنات لوگوں کی' میری یا آپ کی رائے پر کیسے چل سکتی ہے۔ اس نظام کائنات نے ویسے ہی چلنا ہے جیسے اس کے بنانے والے نے اسے چلانا ہے دیکھا یہ جائے گا کہ کون اللہ کی عظمت سے آشنا ہو کر نبی کریم ﷺ کے اتباع میں چلتا رہا اور کون اس سے پہلو تہی کرتا رہا۔

ایک آدمی کفر کیلئے برائی کیلئے ظلم کرتا ہوا مارا جاتا ہے' دوسرا راہ حق میں' اتباع رسول ﷺ میں عظمت الٰہی کیلئے جان سے چلا جاتا ہے۔ قتل تو دونوں ہوتے ہیں' لیکن دونوں کے نتائج میں کتنا فرق ہے۔ اسی طرح بعض اوقات دنیا کی تکالیف آ جاتی ہیں' وہ رب العالمین کا طے شدہ پروگرام ہوتا ہے اور ہمیں اس سے گزرنا ہوتا ہے۔ اگر اللہ کریم سے تعلق نصیب ہو' تقویٰ نصیب ہو تو تکلیف کیلئے قوت برداشت دے دیتا ہے۔ اس سے نکلنے کی استعداد دے دیتا ہے' اس میں سے گزرنے کیلئے حوصلہ و ہمت دے دیتا ہے۔

میرے ایک بزرگ ہوا کرتے تھے میری ان سے بہت دوستی تھی' وہ بہت اچھے تھے اور بہت عبادت گزار بھی تھے۔ ایک مرتبہ میں نے ان سے کہا کہ دنیا عالم اسباب ہے' اللہ اللہ کرتے ہوئے کوئی ایسا وظیفہ بھی کیا جائے کہ قرض سے جان چھوٹ جائے۔ ایسا کوئی سبب بھی اختیار کیا جائے کہ کوشش کرنا تو ضروری ہے۔ دنیا عمل کی جگہ ہے یہاں محنت دنیاوی بھی کی جائے' اللہ اللہ بھی کی جائے اور دعا بھی کی جائے تو کیا آپ کے پاس کوئی تسبیح ایسی ہے کہ قرض کی مصیبت سے نجات مل جائے۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے فرمانے لگے وظیفہ تو ہے پھر انہوں نے کچھ بتایا مجھے صحیح یاد نہیں کچھ آیات سورۃ مزمل کی تھیں۔ اللہ کریم کے صفاتی نام کی تسبیح تھی پھر سورۃ مزمل کی آیات تھیں۔ کچھ اس طرح کا نقشہ سا ذہن میں رہ گیا ہے مکمل یاد نہیں۔ پھر جب وہ وظیفہ بتا چکے تو کہنے لگے' ایک بات یاد رکھنا یہ ضروری نہیں کہ تمہارے پاس اتنے پیسے آ جائیں کہ قرضہ اتر جائے۔ میں نے کہا کہ پھر وظیفہ کرنے کا کیا فائدہ؟ کہنے لگے اللہ اس مصیبت کو آسان کر دے گا' قرضہ بوجھ محسوس نہیں ہوگا۔ کوئی تم سے اس طرح تقاضا نہیں کرے گا جس سے تمہیں تکلیف ہو کام اپنے وقت پر ہی ہوگا۔ وہ سادہ آدمی تھے بظاہر بہت زیادہ پڑھے لکھے بھی نہیں تھے' البتہ قرآن حکیم اور چند دینی بنیادی کتابیں پڑھے ہوئے تھے' لیکن اس سادہ سی شخصیت کو ذکر الٰہی نے وہ شعور دے دیا تھا کہ وہ انسانی کیفیات سمجھتے تھے۔

یہ کتنی دانش کی اور باریک بینی کی بات ہے کہ بندہ قرضے کی اس حقیقت سے آشنا ہو جائے کہ قرضے کی تکلیف دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک تکلیف سے قرضے کا بوجھ جس کے تلے قرض لینے والا دبا ہوتا ہے اور سخت کوفت محسوس کرتا ہے۔ دوسری ہے قرض خواہ کا مطالبہ کرنے کا انداز جس میں وہ بہت سختی اور بے رخی سے پیش آتا ہے اور عزت نفس کو مجروح کرتا ہے۔ ذکر الٰہی نے انہیں وہ حساسیت دے دی کہ وہ ظاہری حالات کے پیچھے کیفیات کو محسوس کرتے تھے۔ انہوں نے فرمایا ہو سکتا ہے اللہ کریم کشائش عطا کر دے اور قرض اتر جائے' لیکن وظیفے کا کم از کم یہ اثر ضرور ہوگا کہ قرض خواہ نرمی اختیار کرے گا اور بندہ کوفت سے بچ جائے گا۔ مجھے ان کی یہ بات ابھی تک اس لئے یاد ہے کہ یہ کیفیت کی بات ہے ظاہری حالات کی بات نہیں' یہ محسوس کرنے کی اور Feelings کی بات ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اللہ اللہ کرنے سے تکلیفیں ختم ہو جائیں گی' لیکن یہ خیال ہی غلط ہے۔ اللہ اللہ کرنے کے باوجود تکلیفیں آتی رہیں گی' لیکن اس کیلئے ان سے نکلنے کا راستہ بنتا رہے گا' جیسے اتباع نبی کریم ﷺ نصیب ہوتا رہے گا۔ تکالیف تین طرح سے ہوتی ہیں۔ اگر اللہ پر ایمان نہ ہو تو چھوٹی بڑی ہر تکلیف از قسم عقوبات ہوتی ہے یعنی بطور سزا ہوتی ہے اور سزا بہت تکلیف دہ ہوتی ہے کافر کو پیش آنے والی ہر چھوٹی بڑی مشکل عذاب کی ہی قسم ہوتی ہے۔

مومن پر جو تکلیف آتی ہے' وہ اس کے گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ مومن کے پاؤں میں اگر کانٹا بھی چبھ جائے تو اس کے بہت سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مومن پر آنے والی تکالیف تلافئ مفات ہوتی ہیں اس کی بیماری یا مشکل کے طفیل اللہ کریم اس کے بہت سے گناہ معاف

فرما دیتے ہیں اور جب اللہ کے مقبول بندوں پر تکالیف آتی ہیں' تو وہ ان کی ترقی' درجات کیلئے ہوتی ہیں۔ عنداللہ بعض منازل قرب ایسے ہیں کہ تکالیف ان کا خاصہ ہوتی ہیں۔ مثلاً شہادت بہت بڑا مرتبہ ہے' لیکن اس کیلئے میدان جہاد میں قتل ہونا پڑتا ہے۔ تو اللہ کریم سے جسے نسبت اور تعلق نصیب ہو جائے' حضوریٔ حق حاصل ہو جائے تو نہ کوئی مشکل رہتی ہے نہ دکھ آسانیاں ہی آسانیاں ہو جاتی ہیں۔ سو محافل ذکر کا حلقہ ہائے ذکر کا ذکر کیلئے اکٹھا ہونے کا اور اجتماع کا بنیادی مقصد بندے کو اللہ سے جوڑنا ہے۔ حضوریٔ حق کا حصول ہے اللہ کے ہونے کا یقین حاصل کرنا اور یہ ماننا روایتی ماننا نہ ہو۔

خودکش بمبار' قاتل' ڈاکو' اپنے ملک کے شہریوں کو مارنے والے' مساجد' عبادت گاہوں کو بموں سے اڑانے والے' عزتیں لوٹنے والے' اپنی پبلک کو گولیوں سے چھلنی کرنے والی فوج' اس کے حکمران' چیف مفاد پرست سیاستدان حکمران یہ سارے ہی اللہ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں' لیکن کیا یہ اللہ کو مانتے ہیں؟ کیا ان کے کردار سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اللہ کو مانتے ہیں؟ تو ایسا روایتی ماننا نہ رہے' بلکہ ایسا ماننا نصیب ہو جائے جو ہماری سوچ' فکر سے لے کر کردار تک کو اطاعت الٰہی اور اتباع نبوی میں ڈھال دے۔ ایسا ماننا نصیب ہو جائے تو یہ مقصد ہے ان اجتماعات کا' اذکار کی ان محفلوں کا اور ذکر کی اس محنت کا۔ اس میں مقصد نہ کسی کی کرامت کا اظہار ہے نہ کسی کی بزرگی کا اعلان ہونا ہے۔ ہر بندہ یکا و تنہا ہے دنیا کے رشتے بڑے عارضی ہوتے ہیں باپ کو بیٹا بڑا عزیز ہوتا ہے' بڑے ناز و نعم سے پالتا ہے۔ بڑا ہو کر اگر وہ بے روزگار ہی رہے' تو باپ بھی کہتا ہے کہ تمہیں تو بڑھاپے کا سہارا بنا کر پالا تھا تم تو کسی کام کے نہیں ہو' تو دنیا کی محبتیں' کاروبار کی محبتیں ہیں ہر بندہ اپنے نفع کا سوچتا ہے۔

کچھ دن پہلے ایک خاندان ملاقات کیلئے آیا' ان کے گھر کے ایک بزرگ فوت ہو گئے تھے اور سب انہیں یاد کر کے روتے رہے کہ بزرگ تو ہمیں تنہا کر گئے' ان کے ہونے سے تو بہت سہولتیں تھیں۔ میں نے انہیں کہا کہ تم کیسی عجیب بات کہہ رہے ہو' تم تو پورا خاندان ہو' میاں بیوی' بچے' تمہاری والدہ تو تم کیسے تنہا ہو؟ تنہا تو وہ ہو گیا جس غریب کو قبر میں رکھ آئے ہو' وہاں اس کے ساتھ کون ہے؟ تمہیں اپنی فکر ستائے جا رہی ہے' تمہیں اس کی فکر بھی کرنی چاہیے۔ علماء فرماتے ہیں کہ مرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے پانی میں ڈوبنے والا کہ جان بچانے کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہوتا ہے۔ قبر میں جانے والا بھی اپنے لواحقین کی جانب سے منتظر ہوتا ہے کہ کوئی اس کیلئے دعا کرے' ایصال ثواب کرے اور اسے قبر میں کچھ آسانی اور راحت ملے۔ میں نے انہیں کہا کہ تم اپنے لئے رو رہے ہو کہ تمہارے بزرگ تمہیں مال و دولت دیتے تھے' تو وہ بزرگ مال و دولت ساتھ تو نہیں لے گئے یہیں چھوڑ گئے ہیں' تو دنیا کے رشتے یوں ہی اپنے اپنے مفادات پر قائم ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا رشتہ دو عالم کی کامیابی کا ضامن ہے۔ محبت وہی ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے اتباع میں ہو۔ اس ایک ہستی کی محبت میں جو محبت نصیب ہو' وہ آپس میں بھی ہو تو کھری ہوتی ہے اس میں کوئی دنیاوی آمیزش نہیں ہوتی۔

اللہ کریم توفیق عطا فرمانے والے ہیں۔ اجتماع میں آنے' ذکر کرنے' صحبت شیخ پانے کیلئے کئے جانے والے سارے مجاہدے کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں اللہ کے ہونے کا یقین ہو جائے کہ واقعی اللہ ہے اور ویسا ہی ہے جیسا نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ اس کی ذات ویسی ہے اور اس کی صفات ویسی ہیں جیسی نبی کریم ﷺ نے بتائی ہیں۔ جب یہ یقین حاصل ہو جائے' تو پھر افکار سے لے کر عملی زندگی تک سب میں مثبت تبدیلی آ جاتی ہے اور بندہ عمدہ' خوبصورت اور بہتر طریقے پر زندگی بسر کر سکتا ہے۔ آبرومندانہ موت سے ہمکنار ہو سکتا ہے' اچھے طریقے سے میدان حشر سے گزر سکتا ہے۔ **ویجعل لہ مخرجا** اس کیلئے ہر جگہ دروازے کھلے پڑے ہیں' اللہ اس کیلئے راہیں کھول دیتا ہے۔

التصرف فی مقامات اولیاء اللہ میں کئی واقعات درج ہیں۔ ایک واقعہ یوں لکھا ہے کہ نخلستان میں کوئی صحرائی اپنے جانور چرا رہا تھا کہ ایک درویش منش شخص اس کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اس نخلستان میں پانی کا چشمہ اور چشمے کنارے گھاس کا قطعہ کہاں ہے؟ صحرائی نے کہا اگر پانی پینا ہے تو چھاگل میرے پاس ہے تم پی لو۔ اس نے کہا نہیں مجھے پانی کی ضرورت نہیں' میرا تو وقت ختم ہو رہا ہے'

میں مرنے کیلئے کسی اچھی سی جگہ کی تلاش میں ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ ایسا خوبصورت گوشہ مل جائے جہاں میں سکون سے وضو کر کے نفل پڑھ کر دنیا سے چلا جاؤں۔ صحرائی حیران ہوا کہ شاید کوئی ذہنی طور پر ماؤف شخص ہے بہرحال اس نے نے بتا دیا کہ درختوں کے اس جھنڈ کے پیچھے چشمہ بھی ہے اور گھاس کا قطعہ بھی' وہ شخص اس سمت چلا گیا۔ کچھ دیر بعد صحرائی کو وہ شخص یاد آیا' تو وہ اس کی طرف چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ شخص بڑے مزے سے گھاس پر لیٹا ہوا تھا' لیکن وہ مر چکا تھا۔ یہ فرق ہے عام بندے کے مرنے میں اور اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والے شخص کے مرنے میں۔ ایک اللہ کو یاد کرتے ہوئے سکون سے مر جاتا ہے اور دوسرے موت کے نام سے ڈرتے اور کانپتے ہیں۔ جس کا تعلق اللہ سے ہو جائے اس کیلئے ہر طرف سے راستے کھل جاتے ہیں۔ موت بھی اسے محبوب ہو جاتی ہے' زندگی آسان لگتی ہے' ہزار مشکلوں میں مزے سے گزارتا ہے اور آخرت اس سے بھی زیادہ پر لطف ہو جاتی ہے۔

اجتماع کی ساری کاوش کا بنیادی مقصد تقویٰ کا حصول ہے۔ باقی کام ہوتے رہتے ہیں۔ اللہ کریم از خود کرتا رہتا ہے۔ ابھی مسجد میں کوئی خاتون کہہ رہی تھیں کہ آپ دعا کریں تو میں نے کہا کہ آپ مسجد میں بیٹھ کر کیا کر رہی ہیں۔ اگر میں نے ہی دعا کرنی ہے تو آپ یہاں کیا کر رہی ہیں؟ ہمارا کام دعائیں کرنا نہیں ہے' ہمارا کام آپ کو اللہ کے روبرو کرنا ہے آگے آپ جانیں اور آپ کا اللہ جانے آپ دعا کریں۔ اسے راضی کریں' اس کی منت کریں یا نہ کریں' وہ آپ کو دے یا نہ دے ہماری کوئی دلالی نہیں ہے۔ ہمارے ذمے ایک نوکری ہے اللہ اس کی توفیق دیئے رکھے وہ یہ کہ جو آئے اسے اللہ کے ہونے کا یقین دلا دیں۔ اسے اللہ کا دروازہ دکھا دیں' بندہ خود کو تنہا نہ پائے اس کا اللہ اس کے ساتھ ہو' ہماری کوشش اس سے زیادہ اور کچھ نہیں۔

امور دنیا تو ہوتے رہتے ہیں' بیماریاں اور مشکلات میرے ساتھ بھی ہیں۔ میرے ساتھ دشمنی میں لوگ حد سے بڑھے ہوئے ہیں' حکومتی ایجنسیاں الگ لگی ہوئی ہیں۔ ہر ایک کا اپنا اپنا Role ہے' حالانکہ میرا ان سے کوئی تعلق ہی نہیں تو سمجھ یہی آتی ہے کہ کوئی غلطی گناہ مجھ سے ہو گیا ہے جس کا یہ نتیجہ ہے کہ پریشان کرنے والے اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ہم کون سے فرشتے ہیں کوئی غلطی مجھ سے ہو گئی ہو گی' لیکن اللہ سے توبہ کرتے ہیں' اصلاح کی توفیق مانگتے ہیں' اصلاح کی پرخلوص کوشش کرتے ہیں' پھر بھی فرشتے تو نہیں بن سکتے' لہٰذا دنیاوی تکلیفیں آ جائیں تو اللہ آسانیاں پیدا کرنے والا ہے' لیکن اللہ کی بارگاہ نہ چھوٹے اس سے تعلق اور رشتہ بڑھے۔

یہ دنیا عالم اسباب ہے' سبب اختیار کرنا فرض ہے اگر کوئی بیماری آ گئی ہے تو دوا کھالو' جائز وسائل کے اندر رہ کر مسائل حل کرو۔ تکلیف سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ یہ شرعی طریقہ ہے اور غیر شرعی طریقہ یہ ہے کہ مسائل کے حل کیلئے ناجائز وسائل اختیار کیے جائیں۔ یہی تو امتحان ہے اور گر کوئی یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اسے کوئی تکلیف ہی نہ پہنچے' کوئی مسئلہ ہی نہ ہو تو وہ ایسا نادان ہے کہ وہ دنیا کو جنت سمجھ بیٹھا ہے۔ یہ دنیا جنت نہیں بن سکتی' یہاں دکھ ہوں گے' تکالیف آئیں گی' لوگ راضی ہوں گے اور ناراض بھی ہوں گے' کوئی دعائیں دے گا' کوئی گالیاں دے گا' کوئی آپ کو درازئ عمر کے ساتھ دیکھنا چاہے گا' کوئی آپ کو مارنے کے درپے بھی ہو گا۔ دنیا کے باغ میں حالات ومسائل کے کانٹے بھی ہوں گے اور پھول بھی ہوں گے' بارش برسات' اولے بھی پڑیں گے اور تنگی ترشی حالات کا سامنا بھی ہو گا۔ سارا نظام اپنی روش پر چلتا رہے گا۔ اس میں دیکھا صرف یہ جائے گا کہ راحت و سکون میں تنگی وترشی میں آپ کا تعلق اللہ کریم اور اللہ کے حبیب ﷺ سے ہے یا نہیں۔

شیخ کی ذمہ داری اللہ سے تعلق جوڑنا ہے۔ جڑے گا انہی کا جن کا مقصد خالص ہو گا' جو صرف اس مقصد کیلئے آئیں گے۔ باقی لوگ جس مقصد کیلئے آئیں گے وہ مقصد پورا بھی ہو گیا تو کیا ان کی قسمت میں ہو گا تو ہو جائے گا نہ بھی آتے تو پورا ہو جاتا اللہ کے مقرر کردہ نظام کے تحت پورا ہو جاتا۔ یہ اللہ کے فیصلے ہیں' جن میں آپ کا میرا یا کسی کا کوئی دخل نہیں۔

واخر دعوانا عن الحمدللہ رب العلمین

......☆☆☆......

خوشخبری

حضرت امیر المکرمؒ کے نو دریافت طبی نسخوں میں اضافہ

حضرت امیر المکرمؒ مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ، صحیح معنوں میں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔ طب و حکمت سے تو بطور خاص ہر دور میں صوفیا عظام اور علماء کرام کو خاص شغف رہا۔ حضرت امیر المکرمؒ بھی اس شعبہ میں پیچھے نہیں اور مختلف جڑی بوٹیوں اور قدرتی اجزاء سے ایسے نسخہ جات دریافت فرما رہے ہیں جو مختلف بیماریوں سے نجات کے لئے انتہائی موثر ہیں حال ہی میں حضرت امیر المکرمؒ کے نو دریافت نسخہ جات میں انتہائی خوش آئند اضافہ ہوا ہے۔ ضرورت مند استفادہ کر سکتے ہیں۔

کلسٹرو کیئر
Cholestro Care
Rs.300
کلیسٹرول کو صحیح حالت پر رکھتا ہے

پین گو
Pain Go
Rs.100
ہر طرح کے درد کے لئے مفید ہے

ہیر گارڈ آئل
Hair guard Oil
Rs.500
بالوں کی صحت کے لئے مفید ہے۔

Cough Ez
Rs.30
کھانسی کیلئے گولیاں

ملنے کا پتہ:- دار العرفان منارہ، ضلع چکوال فون 0543-562200
17- اویسیہ ٹاؤن شپ، لاہور فون 042-5182727

برکاتِ نبوت اور اس کی ترویج

امیر محمد اکرم اعوان
دار العرفان منارہ، ضلع چکوال 03-08-2008

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم O

بسم اللہ الرحمن الرحیم O

تصوف کے بارے علماء حضرات میں بھی ایک بڑی غلط فہمی جگہ پا گئی ہے اور اس کی تائید میں متقدمین کے اقوال بھی پیش کیے جاتے ہیں خصوصاً مولانا اشرف علی تھانوی کا یہ قول بہت معروف ہے کہ نبوت کا اظہار واجب ہے اور ولایت کا اِستتار واجب ہے یعنی نبی کیلئے اپنے نبیؑ ہونے کا اظہار واجب ہے اور ولی اللہ کیلئے اپنی ولایت کا استتار یعنی چھپانا واجب ہے۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کے سامنے جب یہ بات پیش کی گئی تو آپؒ نے فرمایا کہ ابتداء سلسلہ عالیہ میں چند ذاکر ساتھی تھے، باقی لوگوں کو وعظ و نصیحت اور علمی کاموں تک محدود رکھا جاتا تھا۔ جب سلسلے میں عام لوگوں کو داخل کرنے کا حکم ہوا اور عوام کو ذکر کی دعوت دی گئی تو یہ اعتراض اس وقت بھی سامنے آیا تھا کہ تصوف کو چھپانا چاہیے اور عام نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دین چھپانے کی چیز نہیں، دین بیان کرنے کی چیز ہے اور تصوف اگر دین ہے تو پھر اس کا اظہار واجب ہے اور اگر یہ دین نہیں تو پھر اسے ترک کر دینا واجب ہے، اسے چھپانے کی اجازت نہیں۔

حق یہ ہے کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ کے قول کو سمجھنے میں ٹھوکر کھائی گئی ہے۔ اصل بات جو بلند پایہ حضرات اور علماء متقدمین نے سمجھائی وہ یہ تھی کہ نبی کو معجزات انؑ کی نبوت کی تصدیق کیلئے عطا ہوتے ہیں اس لئے ان کا اظہار واجب ہوتا ہے اور ولی سے اگر عقل کو حیران کر دینے والی بات ہو تو اسے کرامت کہتے ہیں اور کرامت کا اظہار کرنا واجب نہیں اس لئے کہ نبی کو اپنی نبوت کو منوانا لازم ہے اور ولی کیلئے یہ منوانا ضروری نہیں کہ وہ ولی ہے، لہٰذا اظہار و اِستتار کا اطلاق معجزات نبوت اور کرامات اولیاء سے ہے کہ کوئی ولی اپنے آپ کو بڑا ثابت کرنے کیلئے اپنی کرامات کا ڈھنڈورا پیٹتا پھرے اور انبیاءؑ کے معجزات کو علی الاعلان بیان کیا جائے کہ معجزات نبیؑ کی نبوت کے دلائل ہوتے ہیں۔ تو متقدمین کے ارشاد کے مفہوم کو سمجھنے میں لوگوں نے یہ ٹھوکر کھائی اور کہا کہ تصوف کو تو چھپانا ہی واجب ہے، تو یہ ان کے فہم کا قصور تھا۔ آج بھی یہ ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنی کرامات کی شہرت نہ کرتا رہے کہ فلاں وقت یہ کرامت ظاہر ہوئی اور فلاں جگہ یہ کرامت ہوئی۔ متقدمین میں جن لوگوں نے صوفیاء کرام کی سوانح حیات لکھی عموماً وہ خود بھی صوفی تھے، جیسے علامہ ابن قیمؒ یا اسی پائے کے لوگوں کی اگر تحریریں دیکھی جائیں تو انہوں نے اہل اللہ کے کارناموں کو ہی ان کی کرامت بتایا ہے ان کا سارا زور توحید و رسالت پر یقین کے زمرے میں آتا ہے۔ انہوں نے اہل اللہ کی اس بات کو کرامت شمار کیا ہے کہ ان ان کے طفیل اتنے لوگوں کو ہدایت نصیب ہوئی اور کتنے لوگوں کی اصلاح ہوئی۔ متاخرین میں سے جنہوں نے صوفیا کی سوانح لکھی، وہ خود صوفی نہیں تھے، تو انہوں نے عجیب و غریب واقعات لکھ کر انہیں اولیاء اللہ کی کرامات کے زمرے میں شامل کر دیا اور ان کے اصل کارنامے یعنی لوگوں میں توحید باری تعالیٰ اور عظمت پیغمبر علیہ السلام پر یقین کا جذبہ پروان چڑھانے کو نظر انداز کر دیا لہٰذا اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ ذاتی تشہیر کیلئے اور اپنے آپ کو بڑا منوانے کیلئے مکاشفات کا اظہار اور انہیں بیان کرنا درست نہیں ایسی باتوں کو شہرت نہیں دینی چاہیئے،

لیکن سرے سے تصوف کو بیان ہی نہ کیا جائے اس کی تبلیغ ہی نہ کی جائے یہ درست نہیں۔ آج کا دور انتہائی گمراہی کا دور ہے' عقیدے کے اعتبار سے بھی اور عمل کے اعتبار سے بھی۔ عقیدے میں کھرا پن اور توحید باری پر قائم رہنے والے لوگ اب گنتی کے ہی رہ گئے ہیں۔ غیر مسلم کا تو توحید کے ساتھ کوئی رشتہ ہی نہیں۔ مسلمان کہلانے والوں میں بھی اللہ پر بھروسہ کرنے والے بہت کم ہیں۔ غیر مسلموں نے اگر پتھر کے بت بنالئے تو مسلمان کہلانے والوں نے زندہ انسانوں کے بت بنالئے ہیں۔ کہیں بزرگوں کی قبور کی پرستش ہورہی ہے' کہیں چلہ کشی اور وظیفوں کے ہی بت بنالیے ہیں۔ پہلے چلہ کشیاں کرتے ہیں پھر پاگل ہوجاتے ہیں' شیاطین پکڑ لیتے ہیں۔ میرے پاس آتے ہیں' میں حیران ہوتا ہوں کہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ لوگوں کو اللہ پر بھروسہ نہیں ہے وہ چلہ کشی کے زور سے یہ چاہتے ہیں کہ کائنات میں ویسے ہو جیسے وہ چاہیں اور یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے! کائنات اللہ کریم کی اپنی ہے' بڑی نازک ہے اور ہر چیز دوسرے سے ایک نظام کے تحت جڑی ہوئی ہے' بندہ اس میں کہاں مداخلت کرسکتا ہے۔ اس عمومی گمراہی کے دور میں نجات کیلئے اگر کوئی کشتیٔ نوح ہے تو یہی ذکر اذکار اور تصوف کا شعبہ ہے۔ یہی وہ شعبہ ہے جو بندے میں ازخود یہ احساس پیدا کرتا ہے کہ بندے کے افکار وعقائد میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ یہی وہ شعبہ ہے جو عمل کی اصلاح کی فکر پیدا کرتا ہے۔ یہی وہ شعبہ ہے جو عمل کی توفیق طلب کرنا سکھاتا ہے اور جہاں حصول اخلاص اور توفیق عمل نصیب ہوتی ہے لہٰذا اس دور میں جتنی ضرورت اس نعمت کو دوسروں تک پہنچانے پر محنت کرنے کی ہے' شاید اس سے پہلے کبھی نہ تھی۔ امام مالکؒ نے پوری زندگی حق کیلئے محنت کرتے گزاری۔

بڑے مجاہدے کیے سلطان وقت سے ٹکراؤ ہوا بڑی ایذا برداشت کی' لیکن جادۂ حق پر ڈٹے رہے۔ مدینہ منورہ سے انس کا یہ عالم تھا کہ پوری عمر مدینہ منورہ میں گزاری' فرض حج کی ادائیگی کیلئے ایک بار مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور پھر کبھی مدینہ منورہ سے باہر نہ نکلے مبادا کہ موت مدینہ سے باہر آجائے۔ پوری زندگی مدینہ منورہ میں بسر کی وہیں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔ خلق قرآن پر حاکم وقت سے ٹکرلی اس نے بہت ایذا پہنچائی' لیکن یہ حق پر قائم رہے اور بالآخر حاکم کو بھی توبہ کروا کر چھوڑا۔ زندگی بھر اتنے مجاہدے کرنے کے بعد آخری عمر میں گوشہ نشین ہوگئے۔ کسی نے عرض کی کہ آپ نے تو زندگی بھر حق کیلئے جہاد کیا ہے آپ جیسے مجاہد گوشہ نشین ہوگئے تو دین کا کام کون کرے گا۔ انہوں نے فرمایا ہم تو انسانوں کی اصلاح کیلئے مجاہدہ کرتے تھے اب تو جس طرف دیکھو بھیڑیے نظر آتے ہیں۔ بھیڑیوں کی اصلاح کیلئے محنت کون کرے۔ یہ بات آج سے تقریباً ہزار سال پہلے کی ہے۔ اگر ہزار سال پہلے انسانوں کا یہ عالم تھا تو اس وقت کیا ہوگا اس عالم میں اگر اللہ نے کسی کو یہ توفیق بخشی ہے کہ اسے ذکر الٰہی نصیب ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی بدولت اس کی اصلاح ہوئی ہے اس کے عقائد میں مثبت تبدیلی آئی ہے' اس کے کردار میں خلوص در آیا ہے' تو اس پر یہ ذمہ داری عائد ہوچکی ہے کہ وہ اللہ کی دوسری مخلوق کو بھی اس نعمت سے آشنا کرے۔ غیر مسلم پر محنت نہیں کرسکتا تو دوسرے مسلمان بھائیوں تک تو پہنچائے۔ وہ زمانے گئے جب تصوف کے حامل بڑے بڑے ولی اللہ ہوا کرتے تھے۔ آج تصوف عقیدہ بچانے کا سبب ہے کم ازکم ایمان تو بچ جائے۔ ایک حد تک اپنی کمی مائیگی کا۔ عظمت الٰہی کا احساس پیدا ہوجائے' رجوع الی اللہ کو دل چاہنے لگے' مغفرت الٰہی کی طرف لپکے' توبہ کرے' کردار کی اصلاح ہو تو یہ بہت ضروری ہے۔

ہم اپنے دنیوی امور کی انجام دہی کیلئے سارا دن محنت کرتے ہیں' کاروبار کیلئے بے شمار لوگوں سے ملتے ہیں' مقدمات کیلئے بے شمار سفارشیں تلاش کرتے ہیں۔ روزگار کے حصول کیلئے مارے مارے پھرتے ہیں' تو یہ فریضۂ دین ہے۔ یہ نبی کریم ﷺ کی برکات ہیں۔ حضور ﷺ سے جو نعمت جس تک پہنچے' وہ اس بات کا مکلف ہے کہ وہ اسے دوسروں تک پہنچائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا بلغوا عنی ولو کان ایہ او کما قال رسول اللہ ﷺ کہ میرا ایک جملہ بھی کسی

کے پاس پہنچے تو یہ اس کے پاس میری امانت ہے اسے چاہئے کہ وہ اسے میری طرف سے دوسرے انسانوں تک پہنچائے۔ چونکہ حضور ﷺ ساری انسانیت کے نبی ہیں' ساری کائنات کیلئے ہیں اور ہمیشہ کیلئے ہیں' اس لئے ان برکات نے بھی ہمیشہ رہنا ہے۔ اسے لوگوں تک پہنچانے کا کوئی نہ کوئی سبب بنایا جائے گا۔ کوشش کریں کہ وہ سبب ہم بن جائیں' کوئی بھی اس بات پر مطمئن نہ ہو جائے کہ اسے اللہ اللہ نصیب ہے' اس نے اجتماع میں ہفتہ لگالیا ہے' مہینہ لگالیا ہے یا چالیس دن لگالیے ہیں' اس کے مراقبات ہو گئے ہیں اور وہ بچ گیا ہے۔ اللہ کریم سب کو بچائے' لیکن یہ ضروری ہے کہ دوسروں تک یہ بات پہنچانے کیلئے بہت زیادہ محنت کی جائے۔

آج بے دین لوگ فحاشی اور بید ینی پھیلانے میں کمربستہ ہیں اور نت نئے انداز سے عریانی پھیلا رہے ہیں۔ چائے کا اشتہار ہو تو نیم برہنہ خواتین کا رقص دکھایا جاتا ہے' یعنی مقصد تو چائے کی زیادہ فروخت ہے' لیکن ساتھ بے حیائی کی اشاعت کو نہیں بھولے۔ کسی بھی چیز کا اشتہار ہو خواہ فون سیٹ کا ہو یا فون کنکشن کا' دوا کا اشتہار ہو یا کپڑوں کا' موقع محل کے بغیر بے حیائی پھیلانے والے تو مستعد رہیں اور نیکی بتانے والے اس حجاب میں رہیں کہ یہ بات کہنے سے فلاں ناراض ہو گا یا یہ بات کہنے سے لوگ مجھے کیسا سمجھیں گے۔ گویا میں اور آپ بڑے ہیں اور معاذ اللہ اللہ کا دین کمزور ہے۔

یاد رکھیں ہماری کوئی اہمیت نہیں اور لوگوں کے کہنے کی بھی کوئی اہمیت نہیں۔ لوگوں کے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔ اہم تو وہی ہے جو بارگاہ الٰہی کا فیصلہ ہے' وہاں دیکھا جائے گا کہ کس نے کیا کیا۔ اللہ کے ایک بندے کو اللہ کی طرف لے آنا' توبہ کی طرف مائل کر دینا اللہ کو بہت پسند ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ایک جہاد پر امیر بنا کر روانہ کرتے وقت آپ ﷺ نے وصیت فرمائی کہ ایک ہزار کافر کو بحالت کفر قتل کرنے سے ایک کافر کو مسلمان کر دینا اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔

کسی ایک بندے کو دوزخ سے بچالینا' اللہ اللہ پر لگا دینا وہ عمل ہے جس کی اللہ کے ہاں بڑی قبولیت ہے۔ ہمارا تو یہ عالم ہے کہ ہم خود اللہ اللہ کرتے ہیں' ہمارے گھروں میں بھی کوئی نہیں کرتا۔ یہ ہمارے وہی گھر ہیں جہاں ہماری خلاف مرضی کرنے کی کسی کو جرأت نہیں اور اس گھر میں لوگ ذکر کے بارے ہمارا کہنا نہیں مانتے۔ بات یہ ہے کہ ہم انہی بتاتے ہی نہیں۔ یہ بھی شیطان کا ایک فریب ہے وہ بندے کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ تم بہتر کر رہے ہو' بس تم کرتے رہو' باقی لوگوں کو چھوڑو' یہ ان کا اپنا معاملہ ہے' جس کا جو جی چاہے کرتا رہے تم کیوں دوسروں پر مسلط ہوتے ہو۔ اپنے گھر والوں کو نیکی کی طرف راغب کرنا ہماری اپنی ذمہ داری ہے اور ہماری ان سے محبت کا تقاضا ہے۔ دعوت دینی چاہئے' زبردستی کرنا ٹھیک نہیں' لیکن راغب کرنے کی کوشش جاری رکھنی چاہیئے۔ جب غلط کام کرنے والے دوسروں کو راغب کرنے کی محنت سے کبھی نہیں اکتاتے تو ہم حق کے اظہار کیلئے سچ بتانے کیلئے کیوں لگاتار محنت نہیں کر سکتے۔ کوئی مانے یا نہ مانے محنت کرتے رہنے سے ہمارا حق ادا ہو جائے گا۔ میدان حشر میں بعض ایسے انبیاء کرام بھی تشریف لائیں گے جن کی زندگی بھر کی محنت کے بعد بھی کسی ایک فرد نے بھی ان کی بات نہ مانی ہوگی' بلکہ بات ماننے کے بجائے انہیں ظلماً شہید کر دیا گیا ہوگا لیکن اس سے ان کی محنت میں کمی نہیں ہوئی ہوگی' لہٰذا منوانا شرط نہیں ہے' بتانا شرط ہے اور خلوص سے بتایا جائے تو بہت کام ہو سکتا ہے۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ جتنا کوئی اس دولت کو تقسیم کرے گا' اتنا مزید اور کئی گنا زیادہ اسے پالے گا۔ تو دوسروں تک پہنچانا ترقی درجات کا بہت بڑا سبب ہے۔ اللہ کریم محنت کرنے والوں کو اس سے بہتر اجر عطا فرماتے ہیں۔ ایک سال بعد اگلا اجتماع ہوگا اللہ بہتر جانتے ہیں کہ ہم میں سے کون ہوگا اور کون نہیں ہوگا' لیکن جو ہوں گے ان کی محنت سامنے آجائے گی۔ ماہانہ اجتماعات میں بھی محنت سامنے آجاتی ہے۔

میری گزارش ہے کہ اپنے سارے دینی و دنیوی امور پورے کیجئے' ملازمت' کاروبار' گھریلو اور ذاتی امور ضرور انجام دیجئے' لیکن

روزانہ کچھ وقت اپنے کاروباری ساتھیوں کے ساتھ ملازمت کے دوران ساتھی ملازمین کے ساتھ ملنے جلنے والوں کے ساتھ جو گپ شپ ہوتی ہے اس میں اللہ کی اس نعمت کو بھی بیان کریں' لوگوں تک پہنچائیں' کوشش کریں کہ اللہ کے زیادہ بندے اللہ کو یاد کرنے والے بن جائیں۔

ہمارے دور کی دہشت گردی' قتل و غارت' بدامنی' دھوکہ دہی' جھوٹ اور فریب کا علاج بھی یہی ہے کہ اس کے علاوہ اس کا کوئی علاج نہیں۔ کینسر اور ایڈز کی طرح اخلاقی برائیاں اور بڑے بڑے جرائم معاشرے میں گھر کر گئے ہیں۔ انسانی جان کی قیمت ہی کوئی نہیں' مکھیوں کی طرح قتل کیا جا رہا ہے۔ روزانہ تیس چالیس افراد کی ہلاکت فسادات کی لپیٹ میں آ جانا' مظاہروں میں ہلاک ہو جانا' ٹی وی پر بار بار دکھایا جاتا ہے اور کسی پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ ظلم و زیادتی عام بات ہوگئی ہے' ہم جرم کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ روزمرہ کا ایک کام بن گیا ہے۔ گزشتہ پندرہ بیس سالوں میں یہ بے حیائی پہلے سے زیادہ بڑھ گئی ہے' بڑھ رہی ہے' اس کا مقابلہ برکات نبوت سے کیا جا سکتا ہے۔ ذکر الٰہی کا شعبہ اس کے آگے بند باندھ سکتا ہے' یہ ایسا نسخہ ہے جو صرف برائی کو روکتا ہی نہیں برائی کی جڑ کاٹ کر وہاں نیکی کا بیج بو دیتا ہے۔

برائی پھیلانے والے اتنی محنت کر رہے ہیں' پوری کوشش صرف کر رہے ہیں' تو آپ لوگوں سے بھی سوال ہوگا کہ نیکی کی ترویج کیلئے کیا کیا؟

یاد رکھیے یہ نعمت جس طرح آج لٹائی جا رہی ہے' اللہ کی مرضی ورنہ تبع تابعین کے بعد سے لے کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ تک کے درمیان کے زمانے میں جہاں صدیوں کا فاصلہ ہے ایسا نہیں ہوا۔ اس درمیانی عہد میں بڑے بڑے بزرگ بڑی اعلیٰ منازل کے حامل اور بڑے صاحب کرامت بزرگ گزرے ہیں۔ ان کے لاکھوں مرید ہوئے ہیں' لیکن گنتی کے چند افراد کو صرف قلبی کیفیات سکھائیں باقی سب کو ظاہری اصلاح تلاوت تسبیح بتا کر بھلائی کی تلقین کر کے رخصت کر دیا۔ یہ نعمت یوں عام نہ ہوئی' صدیوں بعد حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کے سبب سے اللہ نے اسے عام کر دیا۔ ابتداء میں حضرت جی نے بھی صرف چند با اعتماد ساتھیوں کو ذکر قلبی اور کیفیات قلبی سے آشنا کیا اور باقی سب کو لسانی اذکار اور اصلاح احوال کی تلقین کی۔ پھر جب من جانب اللہ اس نعمت کو بطور اصلاح عقائد و تعمیر کردار استعمال کرنے کی اجازت دی گئی تو پھر اس نعمت کو عام کیا گیا کہ ہر آنے والے کو یہ سکھایا جائے۔

یہ سب کچھ بتانے کا مقصد یہی ہے کہ صرف اپنی ذات پر ہی نہ رک جایا جائے' بلکہ گھر والوں' احباب پڑوسیوں سب کو یہ پیغام پہنچایا جائے اور کچھ ذکر کی محنت ہو جائے تو مرکز تک پہنچایا جائے۔ یہ بھی ایک مرض ہے کہ بات تو دوسروں تک پہنچا دیتے ہیں' لیکن اپنی بزرگی کا شوق ہو جاتا ہے۔ لوگوں کو اپنے تک محدود رکھتے ہیں' مرکز تک نہیں آنے دیتے کہ یہ میرے تک ہی رہے' تاکہ مجھے ہی بزرگ سمجھا جاتا رہے۔ یہ نہ ہو کہ مرکز میں چلا جائے اور میری اہمیت کم ہو جائے' یہ بھی ایک شیطانی حربہ ہے۔ یاد رکھیں آپ میں سے کوئی بھی الگ سلسلہ نہیں چلا سکتا اور یہ تجربہ ہو چکا ہے آپ ان لوگوں کو دیکھ لیں جنہوں نے سلسلے سے الگ ہو کر سلسلہ چلانا چاہا تو وہ صرف گداگر ہو کر رہ گئے ہیں' باقی ان کے پاس کچھ بھی نہیں بچا۔ چندے مانگتے رہتے ہیں' زکوٰۃ و خیرات جمع کرتے رہتے ہیں اور کوئی نہیں رہا۔ کتنے بندوں کی اصلاح کی' کتنوں کے عقائد درست ہوئے۔ اب تو ان کے اپنے عقائد درست نہیں کسی کے کیا درست کریں گے۔ خود ان کا اپنا کردار مسخ ہو چکا وہ دوسروں کے کردار کی اصلاح کا سبب کیسے بنیں گے۔

اس بات کی احتیاط کیجئے جسے بتائیں اسے پورے سلسلے کا تعارف کروائیں' اسے مرکز کی اہمیت بتائیں' مرکز سے وابستہ کریں تاکہ آپ کو بھی فائدہ ہو اور اس کو بھی فائدہ ہو۔ اللہ کریم ہم سب کو اپنا نام لینے کی اس کی ترویج کی توفیق دے ہم سے درگزر فرمائے برائی کا مقابلہ کرنے کی توفیق دے اور اسے قبول فرمائے۔

واخر دعوانا عن الحمدلله رب العالمين.

روزی کے معروف ذرائع استعمال کیئے جائیں

اے لوگو! زمین میں سے اپنی ضرورتیں پوری کرو۔ کھاؤ۔ پیو لیکن دو شرطیں ہونی چاہئیں۔ ایک تو وہ چیز حلال ہو، حلال روزی کے لئے معروف ذرائع ہیں اور روزی کے حرام ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ان معروف ذرائع سے حاصل نہ ہو معروف ذرائع چار ہیں۔ کھیتی باڑی حصول رزق کا معروف ذریعہ ہے۔ تجارت حصول رزق کا ایک معروف ذریعہ ہے۔ کھیتی باڑی اور تجارت کے اپنے اپنے اصول ہیں۔ اس طرح ملازمت حصول رزق کا ایک معروف ذریعہ ہے۔ مزدوری حصول رزق کا ایک معروف ذریعہ ہے۔ معروف ذرائع سے رزق حاصل کیا جائے تو وہ حلال ہے۔ غیر معروف ذریعے سے جو رزق حاصل ہوتا ہے وہ حلال نہیں ہے۔ اس میں بہت سی چیزیں آ جاتی ہیں جیسے کوئی عملیات پڑھتا ہے کہ اسے پیسے ملتے رہیں یہ معروف ذریعہ نہیں ہے۔

(اقتباس از اکرم التفاسیر، جلد دوم)

تعاون

اسلم ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینوفیکچررز آف پی سی یارن

پُل کوریاں، سمندری روڈ فیصل آباد فون 2-2667571-041

اکرم التفاسیر سے اقتباس

فساد فی الارض

امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ کے فی البدیہہ خطابات پر مشتمل منفرد انداز کی پہلی بیانیہ تفسیر قرآن حکیم

امیر محمد اکرم اعوان

دار العرفان منارہ، ضلع چکوال 15-5-09

ترجمہ و تفسیر: سورۃ المائدہ۔ آیات 33-34

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انما جزآء الذین یحاربون اللہ و رسولہ

"ان کی یہی سزا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے لڑتے ہیں"

اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ کیا ہے؟ اور ایک مشت غبار کی حیثیت ہی کیا ہے کہ وہ یہ جنگ کرے بھلا بندہ ہو کر خالق سے اور اس کے رسول ﷺ سے کیسے لڑ سکتا ہے؟ فرمایا ویسعون فی الارض فسادا۔ جو لوگ اللہ کی زمین پر فساد پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ یقیناً اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کر رہے ہیں۔ انسانی مزاج ایسا ہے کہ یہ اپنے ہر کام کیلئے جواز تراشتا رہتا ہے۔ ہر آدمی جو خود کرتا ہے اسے صحیح سمجھتا ہے، جو دوسرا کرتا ہے اسے فساد کہتا ہے، لیکن اس رویے سے یہ متعین کرنا ممکن نہیں ہے کہ کون حق پر ہے اور کون حق پر نہیں ہے۔ یاد رکھیں معیار حق اللہ کا کلام اور اللہ کے رسول ﷺ کا اسوۂ حسنہ ہے، جسے اللہ کے رسول ﷺ نے فساد کہا وہ فساد ہے اور جسے حضور ﷺ نے حق کہا، وہ حق ہے، لہٰذا جو بھی احکام شریعت کی خلاف ورزی کرے گا وہ فساد کرنے والا ہے۔

یوں تو اس وقت پوری دنیا ہی فساد کی لپیٹ میں ہے، لیکن ہمارے ہاں تو فساد کی حد ہو گئی ہے۔ وطن عزیز آج کل انتہائی تکلیف دہ حالات سے دوچار ہے۔ سمجھ نہیں آتی کہ فوج اپنے ہی ملک میں اپنے ہی لوگوں سے لڑ رہی ہے اور وہ لوگ جو اسی ملک کے شہری ہیں اور فوج سے برسرپیکار ہیں وہ فوج سے کیا چاہتے ہیں؟ ان کا مطالبہ کیا ہے؟ اور حکومت کا مطالبہ کیا ہے؟ دونوں میں سے کون حق پر ہے؟ کون ظالم ہے اور کون مظلوم؟ جبکہ دونوں طرف کے مرنے والے اپنے اپنے نقطہ نظر کے مطابق شہید کہلاتے ہیں۔ اس کا فیصلہ اللہ کریم نے ان آیات میں کر دیا ہے کہ جو زمین پر فساد کرتا ہے (جو اللہ کی مخلوق کے حقوق سلب کرتا ہے ان پر ظلم ڈھاتا ہے وہ فسادی ہے اور اللہ کی زمین پر فساد کرنے والا اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جنگ کرتا ہے۔)

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب فساد ہوتا ہے تو بہت سے لوگ لوٹ مار کیلئے اپنے ذاتی مفادات کیلئے اس میں شامل ہو جاتے ہیں اور فساد کو بڑھاتے ہیں، تو ان کے فساد کی ذمہ داری بھی انہی لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو اس فساد کی ابتدا کرتے ہیں، تو ان آیات میں اللہ کریم نے فرمایا ہے کہ روئے زمین پر فساد کرنا، انسانوں کو مبتلائے عذاب کرنا، ان کے حقوق سلب کرنا، انہیں تکلیف پہنچانا یہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ ہے۔

ہم آج ایک عجیب صورتحال سے دوچار ہیں، لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ہماری بنیاد، ہماری روایات اور ہمارا ماضی بہت مستحکم اور شاندار ہے۔ برصغیر پر مسلمان صدیوں حکمران رہے اور اسلامی نظام حکومت کو رائج کیا۔ ہمارے آج کے دانشور اس بات کو ماننا نہیں چاہتے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس وقت کے مسلمان حکمرانوں کے نافذ کردہ قوانین اسلامی آج فتاویٰ کی شکل میں موجود ہیں اور علماء اس سے استفادہ کر کے فتوے دیتے ہیں۔ اس عہد کا نظام تعلیم ایسا تھا کہ انگریز جب یہاں آئے اور انہوں نے جو رپورٹ برطانیہ بھیجی اس میں لکھا کہ مسلمانوں کے ستاسی فیصد سے زائد لوگ پڑھے لکھے تھے۔ مسلمانوں

نے مدارس کو جاگیریں وقف کر کے خود کفیل کر دیا تھا جنہیں اپنے وقت کے مخلص اور ایماندار لوگوں پر مشتمل بورڈ چلاتے تھے۔ وہاں بچوں کو خوراک، کتابیں اور تعلیم و یونیفارم مفت ملتا تھا۔ انہی مدرسوں اور جامعات (یونیورسٹی) میں عام آدمی سے لے کر حکمران کے بچوں تک سب یکساں تعلیم حاصل کرتے تھے۔ انہی جامعات سے طلباء مختلف شعبہ ہائے حیات کیلئے تربیت پاتے تھے انہی اداروں کے پڑھے ہوئے بہادر جرنیل بنتے، مشفق طبیب اور محنتی سائنسدان بنتے، دیانتدار کاروباری اور تاجر بنتے، مخلص علماء دین تربیت پاتے، مصلح شاعر و ادیب بنتے۔ جتنا خوبصورت نظام تعلیم تھا اتنا ہی مضبوط نظام عدل اور مستحکم معاشی نظام تھا۔ مسلمانوں کے بعد برصغیر میں سکھ قابض رہے، لیکن مسلمانوں کی عظیم تہذیب کے اثرات بہت بعد تک موجود رہے۔ 1820ء یا 1822ء میں ایک انگریز لارڈ نے برطانیہ کی کونسل میں ایک تقریر کی جس کی نقل میرے پاس موجود ہے۔ اس نے کہا کہ اس نے مسلمانوں کے برصغیر کے مشرق و مغرب اور شمال وجنوب تک سفر کیا ہے، لیکن نہ تو کوئی گداگر نظر آیا ہے نہ کوئی چور دیکھا۔ اس لئے کہ یہ اپنی روزی کمانے میں اتنے خود کفیل ہیں کہ چوری اور گداگری ان کے ہاں مفقود ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں: "I have seen no begers and no thieves" وہ مزید کہتا ہے کہ ایسی خوشحال اور خوددار قوم پر حکومت کرنا اور انہیں غلام بنانا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اگر انہیں غلام بنانا ہے تو سب سے پہلے ان کا نظام تعلیم بدلنا ہوگا، جو ان کی ریڑھ کی ہڈی ہے اور انہیں ایسا نظام تعلیم دینا ہوگا جو ہماری تہذیب، ہمارے طور طریقوں کو ان کی نظر میں عالیشان، قابل عزت و محترم بنائے اور ان کے اپنے شرعی اسلامی طریقوں کو ان کے آباؤ اجداد کے طریقوں کو کم تر کردے اور وہ ہمارے جیسا بننے میں فخر محسوس کریں اور مسلمانوں جیسا نظر آنے میں شرم محسوس کریں۔ اگر اس کام میں ہم کامیاب ہو گئے تو یہ قوم ہماری غلام بن جائے گی، چنانچہ انگریز نے اس پر بھرپور کام کیا۔ معیشت میں حلال کی جگہ سود کو رواج دیا، عدالتی نظام میں سستے اور فوری انصاف پر مبنی اسلامی نظام عدل کی بجائے پیچیدہ اور طویل المیعاد نظام عدل رائج کیا جس کا مقصد عوام کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر رکھنا تھا۔ اسی طرح اس نے ایسی فوج بنائی جس میں دینی حمیت وغیرت کے بجائے شاہ کی وفاداری کی بنیاد رکھی جو حق و باطل کو نہ دیکھے صرف شاہ کی وفادار رہے۔ ان ہتھکنڈوں کے ساتھ انگریز ایک صدی برصغیر پر حکومت کرتے رہے۔ مسلمانوں کی بڑی تعداد ایک پوری صدی انگریز کے خلاف اور اس کے نظام کے خلاف لڑتے رہے پھر بین الاقوامی حالات ہی ایسے بن گئے کہ انگریزوں کو ملک چھوڑنا پڑا۔ انگریز چلے گئے اور ہم آزاد ہو گئے، لیکن یہ سمجھنا ایک خود فریبی ہے۔ ہم کب آزاد ہوئے؟ ہم اگر آزاد ہوتے تو انگریز کا دیا ہوا نظام تعلیم بدل دیا جاتا، آزاد حکومت اور آزاد عوام اپنے لئے نئے سرے سے وہ نظام تعلیم بناتے جس میں اسلامی عقیدے اور شریعت مطہرہ کے مطابق دنیاوی علوم اور دینی علوم پڑھائے جاتے۔ آزاد تو ہم تب ہوتے جب ہم اپنی عدلیہ وہ بناتے جو ہمارے عقیدے کے مطابق فیصلے کرتی، آزاد تو ہم تب ہوتے جب ہماری معیشت سود سے پاک حلال طریقوں پر استوار ہوتی، لیکن ہوا یہ کہ انگریز کے جانے کے بعد سب کچھ وہی رہا صرف گورے آقا کے بجائے دیسی آقاؤں نے مسند حکمرانی سنبھال لی۔ اب تک انگریز کے وہی قانون اور وہی نظام جاری ہے، جو اس نے غلاموں کیلئے بنایا تھا۔ آج وہی طبقاتی نظام تعلیم رائج ہے، وہی سودی معیشت ہے، وہی غلاموں کیلئے وضع کیا گیا عدالتی نظام ہے، وہی سیاسی جوڑ توڑ اور وہی فوجی نظام ہے جو انگریز نے وضع کیا تھا یعنی عوام کے پاؤں میں وہی بیڑیاں ہیں اور وہی ہتھکڑیاں ہیں اور گردنوں میں وہی طوق ہیں۔ وطن عزیز کے کچھ لوگ جو انگریزوں کے وفادار اور ملک کے دشمن تھے جنہیں انگریز نے نواب اور خان بہادر کے خطاب دیئے مسلمانوں کی جامعات اور مدرسوں سے چھینی ہوئی جاگیریں دیں انہی لوگوں کو انگریز جاتے ہوئے حکومت کی باگ ڈور سونپ گیا اور قوم غلامی کی انہی زنجیروں میں بدستور جکڑی رہی۔ اب جب اکسٹھ برس سے وہ نظام نہیں بدلا تو اگر انگریز کے نظام کے خلاف ہمیشہ بغاوت ہوتی رہی تو میرا خیال ہے کہ اکسٹھ برس بعد لوگوں کی برداشت جواب دے گئی ہے اور وہ اس مطالبے کے ساتھ میدان میں کود پڑے ہیں کہ

یہ نظام نہیں چاہیئے' وہ اس نظام کو توڑ دینا چاہتے ہیں۔ حکومت کا مؤقف یہ ہے کہ جو اس نظام کے خلاف ہے وہ فسادی ہے اور دوسرا فریق کہتا ہے کہ جنہوں نے یہ کافرانہ نظام نافذ کر رکھا ہے وہ فسادی ہیں۔ نیتوں کا جاننے والا تو اللہ ہی ہے' فیصلہ تو اللہ ہی کرے گا کہ کون فسادی ہے' لیکن دنیا میں فیصلے شریعت مطہرہ کو معیار بنا کر ہی کیئے جاسکتے ہیں۔ اگر حکومت شریعت سے مخلص ہے' تو اسے چاہیئے کہ وہ پورے ملک میں اسلامی نظام نافذ کر دے' پھر دیکھتے ہیں کہ کون بندوق اٹھا کر حکومت کے خلاف اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ حکومت اگر پورے ملک میں بینکوں کو بلاسود کر دے' نظام تعلیم میں دین و دنیا کی تعلیمات کو شامل کر کے خوبصورت گلدستہ بنا دے۔ غریب اور متوسط طبقے کے ذہین اور باصلاحیت افراد کو حکومت میں آنے کیلئے برابر کے مواقع دے' جو خود عوام کے مسائل سے آگاہ ہوں اس طرح حکومت اگر خود اسلامی نظام کو زندگی کے تمام شعبوں میں حکومتی طاقت کے ساتھ نافذ کر دے تو عوام کو خود بخود تمام حقوق مل جائیں گے اور ہر طرف امن ہو جائے گا۔

یہ کونسا نظام رائج ہے جس میں امیروں کے بچوں کیلئے ایچیسن اور برن ہال جیسے پرتعیش سہولیات سے مزین ادارے ہوں اور غریب کے بچے کو ٹاٹ اور بوری بھی نصیب نہ ہو' وہ دھوپ میں بیٹھے یا درخت کا سایہ تلاش کرے۔ یہ کیسا نظام تعلیم ہے جس میں ساری عمر پڑھتے چلے جائیں تو بھی کسی جگہ یہ دو بنیادی جملے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ نہیں سکھائے جاتے۔ بڑے بڑے ڈاکٹر پروفیسر بن جاتے ہیں' لیکن ان دو جملوں سے آشنائی نہیں ہوتی۔ یہ کیسی جمہوریت ہے کہ گنے چنے لوگوں کو ہی ہر بار حکومت مل جاتی ہے۔ جمہوریت تو تب ہوتی کہ ایک مرتبہ نوابوں کی حکومت آ گئی تو اگلے الیکشن میں کاشتکار آ جاتے' پھر اگلی مرتبہ مزدوروں کا نمائندہ حکومت میں آ جاتا۔ پھر تو پتہ چلتا کہ یہ جمہوریت ہے اور ہر ایک کو برابر مواقع مل رہے ہیں۔ اکسٹھ برس سے ہر الیکشن کے بعد وہی خاندان کسی نہ کسی سیاسی جماعت سے وابستہ ہو کر حکومت میں رہتے ہیں۔ اگر اسی نظام کو جاری رکھنا تھا' تو یہاں سے بہتر طور پر یہ نظام ہندوستان میں رائج ہے پھر پاکستان بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ تقسیم ملک میں لاکھوں لوگ راستوں میں شہید ہوئے اس کی کیا ضرورت تھی لاکھوں گھر اجڑ گئے اور بہو بیٹیوں کی عزتیں پامال ہوگئیں کس لئے؟ اگر یہی نظام جاری رکھنا تھا تو ہندوؤں کے ساتھ ہی گزارہ کر لیتے اور اگر علیحدہ ملک بنایا تھا تو پھر اس نعرے کو یاد رکھتے جو تقسیم ملک کے وقت انہیں دیا تھا' جنہوں نے گھروں کی' جانوں کی اور اپنی آبرو کی قربانیاں دیں۔ وہ نعرہ تھا پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔

ارباب اقتدار اپنے اس وعدے پر واپس آؤ! اس ظالمانہ نظام کو بدلو۔ دینی نظام نافذ کرو پھر جو تمہارے خلاف بندوق اٹھائے گا وہ واقعی مفسد ہوگا اور قرآن کے مطابق واجب القتل ہوگا۔ آج کوئی اگر آپ سے مطالبہ کرتا ہے کہ آپ اسلام نافذ کر دیں اور اس مطالبے پر آپ اس پر گولی چلاتے ہیں' جواباً وہ آپ پر گولی چلاتا ہے تو ہم اس کے جج نہیں ہیں۔ ان کا انصاف اللہ کریم خود کرے گا کہ کون پورے خلوص سے اسلام کو نافذ کرنے کیلئے لڑ رہا ہے اور کون پورے خلوص سے کافرانہ نظام کو جاری رکھنے کیلئے لڑ رہا ہے۔

فساد فی الارض کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ نے جو حقوق انسانوں کو دے رہے ہیں ان کے وہ حقوق ان تک نہ پہنچائے جائیں بلکہ ان سے ان کے حقوق چھینے جائیں۔ اللہ نے ہر انسان کو عقیدہ رکھنے کا حق دیا ہے۔ اسے ایمان لانے کی استعداد دی ہے اپنے نبی بھیجے اپنی ہدایات بھیجیں اب بندے کا ذاتی فیصلہ ہے کہ وہ ایمان لائے یا نہ لائے کوئی اس سے جبراً کلمہ نہیں پڑھوا سکتا۔ اسی طرح اللہ نے زندہ رہنے کا حق ہر ایک کو دیا ہے خواہ وہ مومن ہو یا کافر کیا کافر اسی فضاء میں سانس نہیں لیتا؟ کیا اللہ کا سورج کافر کو اپنی روشنی نہیں پہنچاتا؟ کیا کافر اللہ کی دی ہوئی روزی نہیں کھاتا؟ یقیناً اللہ ہی سب کو رزق دیتا ہے اور بلاتفریق دیتا ہے۔ اسی نے انسان کو زندگی کے لمحات دیئے ہیں اتنی فرصت اور مہلت دی ہے کہ وہ اپنے مقام کو جانے اور اپنے رب کو پہچان کر خوبصورت زندگی گذرے جس پر اس کی آخرت کی اچھی تعمیر ہو۔ اللہ

نے اپنی کائنات انسان کے سامنے بچھادی ہے فرماتا ہے **ھو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعاً** (البقرہ 29) میں نے تمہارے لیئے زمین کونعمتوں سے بھر دیا ہے اب میرا مطالبہ صرف یہ ہے کہ میری عطا کردہ نعمتوں کو میرے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق استعمال کرو۔ میری عظمت اور میری توحید تمہارے دلوں میں قائم رہے اور تم نعمتوں پر میرا شکر ادا کرتے رہو۔ یہ اتنی سادہ سی بات ہے اور سمجھنے کے لئے نہایت آسان اس کے بعد ہر بندہ اپنے دل میں خود یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ جو یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اسلام نافذ کیا جائے وہ فساد کر رہا ہے یا وہ فساد کر رہا ہے جو یہ کہتا ہے کہ یہی انگریزی نظام ہی جاری رہے گا اور اسی میں ملک وقوم کی بہتری ہے۔

اس عجیب صورتحال سے بے شمار دوسرے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں کوئی پرانی دشمنیوں کے بدلے چکا رہا ہے کوئی لوٹ مار کا بازار گرم کر رہا ہے لیکن اللہ کی باز پرس سے کوئی بھی بچ نہ سکے گا ان لوگوں کو اس سب تباہی کا جواب دینا ہوگا جنہوں نے اس فساد کی ابتدا کی اللہ کریم نے اپنے نظام عدل میں دو طرح کی سزائیں رکھی ہیں جن جرائم کی سزائیں اللہ نے خود مقرر کر دی ہیں انہیں حدود کہتے ہیں کچھ جرائم کی سزا کے لئے اصول دے دیے ہیں ان کی روشنی میں سزا مرتب کرنا قاضی یا منصف کی صوابدید پر چھوڑ دیا ہے انہیں تعزیز کہتے ہیں جو حقوق اللہ نے بندوں کو دیئے ہیں انہیں چھیننے پر حد جاری ہوتی ہے اور حدود جاری کرنے سے پہلے قاضی یا منصف صرف شہادتیں جمع کرنے کا ذمہ دار ہے گواہیاں جمع ہو جائیں اور منصف کے سامنے جرم ثابت ہو جائے تو بھی قاضی اپنی طرف سے سزا دینے کا مجاز نہیں وہی سزا نافذ کرنے کا ذمہ دار ہے جو اللہ نے مقرر کر دی ہے جیسے اللہ نے ہر کافر و مومن کو زندہ رہنے کا حق دیا ہے اگر کوئی کسی کو ناحق قتل کرے گا تو اسے قتل کیا جائے گا اللہ نے اس پر حد جاری کر دی ہے منصف اللہ کی جاری کردہ حد کو نافذ العمل بنائے گا۔ اسی طرح کوئی کسی کا مال زبردستی چھینتا ہے تو اللہ نے اس کی سزا مقرر کر دی ہے اس کے ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے کوئی چوری کرتا ہے تو اس نے اللہ کے دیئے ہوئے حق میں دراندازی کی اللہ نے کسی کو مال عطا کیا اور کسی دوسرے نے چرا لیا تو اس پر اللہ نے سزا مقرر کر دی کہ چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اسی طرح کوئی کسی کی آبرو سے کھیلتا ہے تو جرم ثابت ہونے پر اس پر حد جاری ہوگی۔ اسے سنگسار کیا جائے گا۔ ان سزاؤں کو حدود کہتے ہیں اور جن جرائم کی سزا قاضی یا منصف یا جج کی صوابدید پر ہو انہیں تعزیرات کہتے ہیں۔ لہٰذا اللہ کے عطا کردہ حقوق کو انسانوں سے چھیننے والا فسادی ہے۔ اگر زندہ رہنے کے حق کی تفسیر کی جائے تو زندہ رہنے کے لئے زندگی کی تمام ضروریات اس میں آجاتی ہیں کہ اگر زندہ رہنے کا حق ہے تو اس کے مال کی حفاظت، اس کی آبرو کی حفاظت اس کے علاج معالجے کا اہتمام، اہل وعیال کے لئے تعلیم و رہائش اس کے روزگار کے مواقع ان سب امور کو بہم پہنچانا ان تمام ضروریات کی تکمیل کا انتظام کرنا زندہ رہنے کے حق میں شامل ہو جاتا ہے یہ اہتمام کرنا اسلامی حکومت کی ذمہ داری ہے اور بلاتفریق قوم و مذہب کرنا لازم ہے۔ اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ ہر شہری کو خواہ وہ مومن ہے یا کافر اس کی جان کی حفاظت کی ضمانت دی جائے اس کے مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت دی جائے روزگار سے علاج معالجے اور تعلیم سے رہائش تک تمام امور کی ضمانت دی جائے اور اگر کوئی عوام کے ان حقوق کو چھینے گا تو اس آیت مبارکہ کے مطابق جو لوگ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرتے ہیں وہ ہی ہیں جو زمین پر فساد پھیلانے والے ہیں سو فرمایا **ویسعون فی الارض فساداً** جو اللہ کی زمین پر فساد کرتا ہے، اللہ کی مخلوق کے حقوق سلب کرتا ہے۔ انہیں گھروں سے بے گھر کرتا ہے، لوٹتا اور تباہ کرتا ہے وہ اللہ کی مخلوق پر یہ مظالم ڈھا کر اللہ سے گویا جنگ کر رہا ہے۔ سو ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جائے جو لوگوں کو قتل کر رہے ہیں۔ **ان یقتلوا او یصلبوا** یا اسے سولی پر لٹکا یا جائے یعنی سزائے موت دی جائے **او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف** یا ان کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹ دیا جائے **او ینفوا من الارض** ط یا پھر انہیں ملک سے نکال دیا جائے

یہ قاضی کی صوابدید پر ہے کہ حالات و واقعات اور شہادتوں کے مطابق قاضی فیصلہ کرے۔

وطن عزیز کی موجودہ صورتحال میں بہت سے عجیب عوامل کارفرما ہیں۔ جب افغانستان میں انقلاب آیا تو دو جماعتیں یا دو گروہ روس کے خلاف لڑے روس افغانستان سے نکل گیا تو یہ آپس میں لڑنے لگے یہ دیکھ کر مدارس کے چند طلباء ان دونوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ملک میں امن و امان قائم کرنے اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے ان طلباء نے دونوں گروہوں سے ملک لے لیا اور عنان اقتدار سنبھال لی پشتو میں طلبہ کو ہی طالبان کہتے ہیں کچھ عرصہ انہوں نے افغانستان پر حکومت کی اور جتنا عرصہ افغانستان پر طالبان کی حکومت رہی وہ افغانستان کی معلوم تاریخ میں سب سے زیادہ پر امن زمانہ ہے جس میں عدل و انصاف ہوا، عزت و آبرو محفوظ ہوئی، نشے کا مکمل خاتمہ ہوا، چوری اور غارت گری ختم ہو کر امن قائم ہوا اور تاریخ میں پہلی بار عوام اسلحے کے بغیر رہے انہیں اپنی حفاظت کے لئے اسلحہ رکھنے کی ضرورت نہ رہی۔ ملک میں امن و امان ہو یہ امریکہ کو گوارا نہ تھا دیگر بہت سے مفادات کے ساتھ یہ امن ان کی تہذیب کے لئے بہت بڑا خطرہ تھا لہٰذا نائن الیون کا افسانہ گھڑا گیا اور اپنے اہداف پورے کرنے کے لئے مغرب سرگرم عمل ہو گیا پھر طالبان کے نام کو اس طرح رگیدا گیا کہ جہاں کوئی جھگڑا فساد کرے اسے طالبان کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ امریکی دانشوروں نے لفظ طالبان کو ایک اصطلاح بنا کر اس کی تعبیر یہ کی ہے کہ جو شخص شراب نہ پیتا ہو، بدکاری نہ کرتا ہو، داڑھی رکھے اور مسجد میں باجماعت صلوٰۃ ادا کرے وہ طالبان ہے یا ان کی نمائندگی کرتا ہے انہوں نے اس کام کے لئے دانشوروں پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جس نے ریسرچ کر کے ایک کتاب چھاپی اس میں بتایا گیا ہے کہ طالبان کون ہیں اور ان فسادی لوگوں کی کیا علامات ہیں؟ اول یہ کہ اس کی داڑھی ہو مزید یہ کہ وہ صلوٰۃ کا پابند ہو، حرام اشیاء اور حرام کاموں سے دور رہتا ہو بے حیائی وغیرہ سے بچتا ہو یعنی ان کے معاشرے اور تہذیب کے خلاف عمل پیرا ہو تو وہ طالبان کی فہرست میں داخل ہو جاتا ہے ہمارے ملک کے دانشور، سیاستدان، حکمران طالبان کو فسادی کہتے ہیں اور انہیں فسادی قرار دے کر ان پر چڑھائی کا جواز پیش کرتے ہیں۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ کچھ مولوی حضرات آیات الٰہی کو ان کے سیاق و سباق سے ہٹا کر انہیں بتاتے ہیں کہ انہیں ان لوگوں پر چسپاں کر دیں۔ اللہ کے احکام قرآن کریم کی آیات حق ہیں انہیں حق حاصل نہیں کہ وہ آیت کو نکال کر کسی غلط جگہ چسپاں کر کے غلط اقدام کا جواز پیش کریں۔ قرآن کریم جاننے والوں کو آیات الٰہی بعینہٖ پہنچانے کا حق ادا کرنا چاہئے اگر کسی بھی آیت کو اپنی سمجھ سے معنی پہنائے گئے تو سخت گناہگار ہوں گے۔

آج کے حالات آپ کے سامنے ہیں۔ حکومت، حکمرانوں اور سیاسی جماعتوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یہی ظالمانہ نظام تعلیم، نظام عدل، نظام حکمرانی چلتا رہے یہی جمہوریت انہیں پسند ہے جس میں انہی کے خاندان کا فائدہ انہی کی نسلیں حکمرانی کرتی رہیں عوام کا استحصال ہوتا رہے اسی لئے سب اسی جمہوریت کا راگ الاپتے ہیں اور جو بھی اس نظام کا مخالف ہے وہ فسادی ہے۔

دوسری طرف کچھ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ملک اسلام کے نام پر لیا گیا تھا یہاں اللہ کا دین نافذ ہو اور حکومت مسلمانوں کی ہے اسلام نافذ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے ایسے لوگوں کو ایسی سوچ رکھنے والوں کو حکومت فسادی کہتی ہے۔ فسادی کون ہے؟ اس کا فیصلہ اللہ کرے گا اور اللہ کی کتاب نے بتا دیا ہے۔ سمجھ یہ نہیں آتی کہ دونوں طرف کلمہ گو ہیں نماز روزہ کرنے والے ہیں بے شمار لوگ اللہ کو یاد کرنے والے ہیں مگر مجبور و بے بس ہیں اپنی اپنی ملازمتوں کے باعث مجبور ہیں چھوڑ کر کہاں جائیں چور اچکے اور بدمعاش لوگوں کو غیر ملکی ایجنسیاں پیسے دے کر پاکستان کے خلاف کام کروا رہی ہیں۔ ہندوستان تو اس کام میں مکمل طور پر ملوث ہے امریکہ بھی اس میں شامل ہے وہ بھی چاہتا ہے کہ پاکستان کے سارے بدچلن اور پاکستان کی فوج آپس میں لڑتی رہیں تا کہ ملک کمزور ہو جائے۔ حکومت کو سود پر رقم دیتا ہے بدچلن

لوگوں کو مفت دیتا ہے یہ سود لیکر خوش ہیں وہ مفت لیکر لڑ رہے ہیں۔اس وقت لوٹ مار کا بازار گرم ہے کس کے روپ میں کون ہے یہ اللہ جانے۔یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون واقعی خلوص نیت سے نفاذ اسلام کے لئے کام کر رہا ہے اور کون امریکی ڈالر یا ہندوستانی دولت لوٹنے کے لئے لڑ رہا ہے۔دلوں کا حال اللہ ہی جانے۔

اللہ کے سامنے پیش ہونا ہم سب کو ہی ہے عوام سے لیکر حکمران تک سب ایک ہی جگہ جمع ہوں گے گھبرانے کی بات نہیں دلوں کو کھرا کرنے کی بات ہے فیصلہ تو ہو چکا ہے کہ یہ جملہ دہرایا جائے کہ ملک کو خطرہ ہے۔جب سیاستدانوں کا اقتدار خطرے میں پڑتا ہے تو کہتے ہیں کہ ملک خطرے میں ہے مولوی کے مفادات پر زد پڑے تو وہ کہتا ہے اسلام خطرے میں ہے حقیقت یہ ہے کہ نہ اسلام کو خطرہ ہے نہ پاکستان کو اسلام قیامت تک کے لئے اللہ نے قائم رکھنا ہے کہ یہ اس کا دین ہے انشاء اللہ ہمیشہ رہے گا اور پاکستان بھی رہنے کے لئے بنا ہے یہ بھی انشاء اللہ رہے گا جو اس ملک کے مٹنے کی باتیں کرتے ہیں وہ خود مٹ جائیں گے۔

موجودہ حالات اس بڑے جہاد کی ایک جھلک ہے۔جنگ تو کفر اور اسلام میں ہوگی اسی سرزمین پر ہوگی برصغیر پر ہوگی جس میں پاکستان بھی ہے اور ہندوستان بھی اور وہ غزوۃ الہند ہوگی جس کے بارے نبی کریم ﷺ نے بہت پہلے خبر دی تھی کہ وہ غزوہ الہند میں برپا ہوگا اور اسلام کو فتح ہوگی۔

انشاء اللہ جب یہ برپا ہوگا تو اسلام کی فتح ایسی ہوگی کہ سارا ہندوستان، پاکستان بن جائے گا اس لئے کہ پاکستان اللہ کے دین کے نام پر بنا ہے یہ قائم رہنے اور پھیلنے کے لئے بنا ہے۔یہ مٹنے کے لئے نہیں بنا۔انشاء اللہ پورا برصغیر پاکستان بنے گا اور لال قلعے پر پاکستان کا جھنڈا لہرائے گا انشاء اللہ العزیز موجودہ حالات اس جنگ کی تمہید ہے اس کی جھلک ہے کون حق پر ہے کون ناحق پر ہے یہ فصلہ اللہ کرے جو نیتوں کا حال جاننے والا ہے اللہ کی آیات فساد فی الارض کی سزا بتا رہی ہیں۔انما جزئو ا الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی الارض فسادا ان یقتلو آ او یصلبو آ او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض ط ذلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاخرۃ عذاب عظیم O

ان کی بھی یہی سزا ہے جو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد کرنے کو دوڑتے ہیں یہ کہ انہیں قتل کیا جائے یا وہ سولی پر چڑھائے جائیں یا انکے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں۔یہ ذلت ان کے لئے دنیا میں ملے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

یعنی جو کسی کو ناجائز قتل کرے اسے قتل کیا جائے یا اسے سزائے موت دی جائے جو ڈاکہ اور راہزنی کرے اس کے ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کاٹا جائے وہ لوٹنے کے قابل نہ رہے اور عبرت کا باعث بنے یا پھر ایسے لوگوں کو ملک سے ہی نکال دیا جائے یہ سزائیں اس لئے ہیں کہ وہ دنیا میں اپنے ان کاموں کے باعث ذلیل ورسوا ہو جائے محتاج و بدنام ہو جائے۔دوسروں کے لئے عبرت کا سامان ہو اور امن عامہ میں خلل ڈالنے کا کوئی سوچ بھی نہ سکے اور آخرت میں جو عذاب ہو گا وہ الگ سے ہو گا یہ بڑا عذاب ان پر مسلط کیا جائے گا جو دنیا میں اللہ کی زمین کو اپنی ذاتی ریاست اور ملکیت سمجھ کر اللہ کے احکام کے خلاف ڈٹے ہوئے تھے۔

اللہ کی ذات بے حد کریم ہے اگلی آیت اس کی وسعت کریمی بیان کر رہی ہے فرمایا الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیھم مگر جنہوں نے تمہارے قابو پانے سے پہلے توبہ کر لی۔فاعلمو آ ان اللہ غفور رحیم O تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔مسلمانوں کے قابو آنے سے پہلے پہلے اللہ کی رحمت کو پا لے اپنے کئے پر ندامت کرے آئندہ کے لئے گناہ سے بچنے کا ارادہ کر لے تو اللہ معاف فرما دیتا ہے۔

نکاح ہے کیا؟

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال 05-06-2008

اعوذ باللہ من الشیطن الرحیم O

بسم اللہ الرحمن الرحیم O

یہ اچھی بات ہے کہ اکثر احباب کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ نکاح دارالعرفان میں پڑھا جائے پھر جمعہ کا روز رکھا جاتا ہے لوگوں کی بھی کثرت ہوتی ہے جتنے زیادہ لوگ ہوتے ہیں، اتنی زیادہ دعائیں مل جاتی ہیں۔ مسجد اللہ کا گھر ہے اس کا اپنا مقام ہے۔ جمعے کا وقت خود ایک مبارک گھڑی ہے اس کا اپنا ایک اثر ہے، لیکن نکاح کیا ہے؟ شاید ہم نے اسے سمجھنے یا سمجھانے کی کوشش نہیں کی۔ علماء کرام بھی اس طرف کم ہی توجہ فرماتے ہیں اور سامعین میں بھی اس کو سمجھنے کیلئے کوئی جستجو نہیں ہوتی کہ وہ خود اس کے بارے میں کچھ جاننا چاہیں اور کسی سے کچھ پوچھیں۔

نکاح اور اس کے مقصد کو ان آیات مبارکہ میں یوں بیان کیا گیا ہے: یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃٍ وخلق منھا زوجھا......O (سورۃ النساء آیت نمبر1)

رشتہ انسانیت کی اہمیت:

لوگو! اپنے پروردگار سے حیا کرو اور اس کا لحاظ رکھتے رہو۔ اس کے ساتھ اپنا تعلق درست رکھو جس نے تم سب کو ایک وجود سے پیدا کیا۔ یعنی آج جس قدر تعداد بنی آدم کی روئے زمین پر موجود ہے جس قدر افراد انسانیت دنیا میں آئے اور آ کر چلے گئے اور جتنے آئندہ آئیں گے اس سارے ہجوم کو اس قادر مطلق نے ایک وجود یعنی حضرت آدمؑ سے پیدا کیا۔ من نفس واحدہ و خلق منھا زوجھا حتیٰ کہ ان کی اہلیہ حضرت حوا کو بھی ان کے وجود سے الگ کیا ان کے ہی وجود سے بنایا۔ حضرت حوا کیلئے الگ سے مٹی نہیں گوندھی، الگ سے پتلا نہیں بنایا گیا، بلکہ حضرت آدمؑ سے ہی ان کا وجود نکالا گیا تا کہ سارے انسان انسانیت میں ایک رہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ نے تخلیقاً ایک انسان کو دوسرے انسان کا حصہ بنا دیا ہے تمام انسانوں میں بحیثیت انسان ایک رشتۂ انسانیت ہے خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بد، بھلے ہوں یا برے، لیکن وہ ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے۔ کافر کسی وقت بھی ایمان لا کر مومن ہو سکتا ہے، مومن بھی کبھی اپنی ناشکری کے باعث بدنصیب ہو کر مرتد ہو سکتا ہے، لیکن انسان ہونے میں دونوں برابر ہیں، انسانیت کی نفی نہیں کی جا سکتی۔

اس یکجہتی کو قائم رکھنے کا ایک سبب انعقاد نکاح بنا دیا گیا۔ اس کائنات کا پروردگار ایک ہے تمام نظام اس کے اپنے حکم سے چلتا ہے لیکن اپنے حکم کو نافذ کرنے کیلئے خود قادر مطلق نے اس کو عالم اسباب بنایا ہے، حتیٰ کہ انبیاءؑ کے معجزات کے پیچھے بھی ایک سبب ہوتا ہے۔ معجزہ کہتے ہی اس شے کو ہیں جو عقل کو عاجز کر دینے والی ہو، لیکن یہ

اللہ کی شان ہے اس کے پیچھے بھی وہ سبب ہوتا ہے جو ہمیں نظر نہیں آتا جیسے حضرت عیسیٰؑ کا بغیر والد کے پیدا ہونا معجزہ ہے۔ عقل سمجھ ہی نہیں سکتی کہ اکیلی خاتون سے کسی طرح بیٹا پیدا ہوسکتا ہے' لیکن اللہ کریم نے اپنی قدرت کاملہ سے حضرت عیسیٰؑ کو بغیر والد کے پیدا کیا اور قرآن حکیم میں یوں تذکرہ فرمایا: ان مثل عیسیٰ عنداللہ کمثل ادم (آل عمران:59)۔ عیسیٰ کی مثال ایسی ہے جیسی آدمؑ کی پیدائش کہ آدمؑ کو بغیر والدین کے پیدا فرمایا اور حضرت عیسیٰؑ کو بغیر والد کے پیدا فرمایا' لیکن حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش میں بھی سبب نہیں چھوڑا' اس لئے کہ یہ پیدائش دار دنیا میں ہوئی اور دنیا اللہ کریم نے خوددار الاسباب بنائی ہے۔ حضرت جبرائیلؑ کو حکم دیا کہ جا کر حضرت مریمؑ کو دم فرمادیں حالانکہ اللہ کی قدرت کاملہ سے ہی پیدائش عیسیٰؑ ہونا تھی تو پھر حضرت جبرائیل امینؑ کے دم کرنے کی کیا ضرورت تھی' لیکن یہ اس اصول پسندی کی بات ہے کہ دنیا کو اللہ نے عالم اسباب بنایا ہے' جہاں وہ بندوں سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس عالم میں اسباب کو اختیار کیا جائے وہاں اس نے خود اپنے اصول کے خلاف کرنا پسند نہیں فرمایا اور معجزات تک میں نظر نہ آنے والا سبب موجود رکھا۔

نکاح کی بنیاد باہمی انس پر ہے جو انسانیت کا خاصہ ہے اور بنیادی طور پر ساری انسانیت ایک فرد کی ذات سے ہے اور وہ ہیں آدم علیہ السلام۔ ان کی اہلیہ ان کے وجود کا حصہ ہیں' جس کا یہ نتیجہ ہونا چاہئے کہ سارے انسان انسانیت میں ایک رہیں اور ایسے نہ ہوں جیسے زمین سے درخت اگتے ہیں' اسی زمین سے اناج اگتا ہے اور اسی زمین سے سبزیاں اور پھل اگتے ہیں۔ ہم دانہ دانہ زمین میں بکھیرتے ہیں تو ہر دانہ ایک الگ پودا ہوتا ہے۔ ان سب پودوں کا آپس میں کوئی انس نہیں ہوتا۔ ہر ایک کا بیج الگ' پانی الگ' غذا الگ وہ ایک ہی زمین سے اگنے کے باوجود علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ انسانیت کا بیج ایک ہے اس لئے انسانوں میں انس ہوتا ہے یعنی انسان انسان کو دیکھے تو اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ پردیس میں کسی ویرانے میں کوئی آدمی دور سے نظر آجائے تو دونوں ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں اس لئے کہ اساسی طور پر سب کی بنیاد ایک ہے اور یہ اللہ کی بہت بڑی رحمت ہے۔ حضرت آدمؑ سے حضرت حوا کو پیدا فرما کر پھر اللہ کریم نے طریقہ توالد وتناسل جاری کردیا اور آدمؑ کی اولاد ہوئی' بڑھی قبائل و شعوب بنے اور یوں انسانیت روئے زمین پر پھیل گئی' جس کا سبب نکاح کو بنایا گیا۔

نکاح کا مقصد اور اس کے مسائل:

شادی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی مل کر انسانی افراد کی تربیت کریں۔ معاشرے کو بہتر شہری دے کر دنیا سے رخصت ہوں۔ اس کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ رشتہ طے کرنے میں دونوں کی رضامندی ہو۔ دونوں اپنی مرضی سے اللہ کے پاک نام کے ساتھ اللہ کے نبی ﷺ کی شریعت کے مطابق گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کریں۔ بنیادی اختیار لڑکے اور لڑکی کے پاس ہے جنہوں نے ساری زندگی مل کر گزارنی ہے۔ والدین اس بات کے مکلّف ہیں کہ اولاد کو بھلے برے کی تمیز دیں۔ اچھے برے کی پہچان سکھائیں' ان کیلئے اچھا رشتہ تلاش کریں' لیکن اگر اولاد رضامند نہ ہو تو زبردستی نکاح نہ کریں کیونکہ جن دو افراد نے ساری زندگی اکٹھے بسر کرنی ہے' انہیں پہلے ہی دن زبردستی رسے میں باندھ دیں گے تو پوری عمر کہاں بسر ہوگی! مناسب رشتہ تلاش کرنا اور درست جگہ شادی کرنا انسانی فیصلے کا محتاج ہے' اسے تقدیر کے ذمے لگا دینا اسلامی نظریات کے خلاف ہے۔ یہ جو شادی کے دعوت ناموں پر لکھا جاتا ہے کہ جوڑے تو آسمانوں پر بنتے ہیں' دنیا میں تو محض تقریب منائی جاتی ہے یہ عیسائیوں کا رواج ہے۔ اسلام میں تو نکاح ہے جس میں لڑکی سے اجازت لینا ضروری ہے' جس میں لڑکے کا قبول کرنا ضروری ہے۔ اگر جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں تو پھر لڑکی سے اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے اور لڑکے کے قبول کرنے

کی کیا حیثیت ہے؟ عیسائیوں کے ہاں یہ رسم رواج پاچکی ہے کیوں کہ ان کے ہاں حلال حرام کی تمیز نہیں نکاح وطلاق کی ضرورت نہیں انہوں نے یہ بات گھڑلی ہے کہ جوڑے آسمانوں پر بنتے ہیں کیونکہ انہوں نے رشتہ دیکھتے وقت کچھ بھی دینی شرائط ملحوظ نہیں رکھنا ہوتیں۔ مسلمانوں کیلئے نکاح کی تمام شرائط ضروری ہیں، جن میں سرفہرست دین ہے۔ سنت طریقہ یہ ہے کہ کوئی بھی جب بیٹی یا بیٹے کا نکاح کرنا چاہے تو یہ دیکھے کہ وہ لوگ دینی اعتبار سے کیسے لوگ ہیں؟ اگر وہاں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ سے وفا نہیں تو وہ انسانوں سے کیا وفا کریں گے۔ اس کے بعد دنیاوی امور دیکھنے ضروری ہیں کہ لڑکا برسرروزگار ہو وسائل زندگی جائز اور حلال ہوں، بہتر ہوں یہ دو چیزیں ایک جگہ میسر آجائیں تو پھر دعا کرنی چاہئے اور رشتہ کر دینا چاہئے۔ اس کے علاوہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بہتر ہے کہ نکاح کفو میں کیا جائے، کفو میں نکاح کرنا بہتر ہے، لیکن ضروری نہیں کہ اللہ نے بنی آدم میں نکاح کی اجازت دی ہے۔ ہر رنگ ونسل وقوم میں نکاح ہوسکتا ہے سوائے ان رشتوں کے جن میں حرمت شرعی ہو یعنی بہن بھائی، چچا بھتیجی وغیرہ یا شادی شدہ خاتون سے نکاح حرام ہے ورنہ ہر مسلمان بلاتفریق رنگ ونسل آپس میں نکاح کر سکتے ہیں لیکن بہتر یہ ہے کہ رشتہ کفو میں کیا جائے۔ اپنے خاندان میں رشتہ کرنے میں بہت سی سہولتیں ہیں۔ ہر خاندان کی اپنی رسومات، رہن سہن کے انداز اور کھانے پینے کی عادات ملتی جلتی ہوتی ہیں۔ یوں میاں بیوی کو ایڈجسٹ ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور دوسرے خاندان یا قبیلے کنبے میں جانے سے میل جول، رہن سہن کے طریقے مختلف ہوتے ہیں اور ایڈجسٹ ہونے میں مشکل ہوتی ہے۔

استخارہ دعا ہے:

اسی ضمن میں ایک رواج استخارہ کرنے کا ہے۔ استخارہ کی دعا ایک دعا ہے اور دعا کا سلیقہ یہ ہے کہ پہلے نبی کریم ﷺ کی عطا کردہ شریعت میں دی گئی ہدایات پر عمل کیا جائے۔ دینداری اور دنیاوی وسائل میں مزید بہتری کیلئے کفو دیکھا جائے پھر دعا کی جائے تاکہ اس فیصلے میں جو شریعت مطہرہ کی روشنی میں کیا گیا ہے اس میں برکت ہو۔ والدین کا حق ہے کہ وہ رشتہ کرتے وقت اولاد کو سمجھائیں، اپنا مشورہ دیں۔ رشتہ اچھا ہو، شریعت کے مطابق ہو، دنیاوی وسائل میں بہتر ہو تو بچی کو قائل کیا جائے۔ سمجھایا جائے کہ اس رشتے میں یہ بہتری ہے، لیکن یہ نہ کیا جائے کہ فلاں بزرگ سے استخارہ کروالیا ہے استخارہ درست ہے لہٰذا بچی یا بچے کا زبردستی نکاح ہوگا۔ زبردستی نکاح جائز ہی نہیں۔ میرے پاس بھی بہت سے خط آتے ہیں کہ استخارہ کر دیں فلاں جگہ رشتہ کریں یا نہ کریں۔ استخارہ تو ایک دعا ئے برکت ہے لیکن استخارے کو اب پیشہ وروں نے پیسہ کمانے کا ذریعہ بنالیا ہے۔ والدین نے بھی شریعت کو چھوڑ کر من مانے فیصلے پر استخارے کی مہر لگوانی ہوتی ہے، جس سے انہیں تسلی رہے کہ یہ جوڑے اللہ کی طرف سے بنے ہیں۔ حق یہ ہے کہ نکاح میں شریعت مطہرہ کے دیئے گئے اصولوں کو برتنا لازم ہے۔ شریعت کے معیار پر دینی اور دنیاوی دونوں لحاظ سے پورا اترنے والے رشتہ کو قبول کر کے پھر اللہ سے دعا کریں اور اللہ کے بھروسے رشتہ کریں۔ اس کے بعد کسی وظیفے اور کسی عمل میں کوئی طاقت نہیں ہے کہ وہ ان کی زندگی کو محفوظ کر سکے۔ یہ صرف اللہ کی طاقت ہے کہ وہ انہیں نیک صالح اور محفوظ زندگی دے، اولاد دے اور وہ اچھا خاندان ثابت ہوں۔

شادی کے بعد نباہ کا سلیقہ، بھو اور بیٹے کی ذمہ داری:

شادی ہو جانے کے بعد یہ ذمہ داری نئے جوڑے پر ہے، میاں بیوی پر ہے کہ وہ اپنے گھر کو اپنی اولاد کو اپنے خاندان کو کس طرح محفوظ رکھتے ہیں۔ دونوں انسان ہیں اور خطا انسانوں سے ہی ہوتی ہے، یہ صفت صرف اللہ کے نبیوں ؑ کی ہے کہ وہ معصوم من الخطاء ہوتے ہیں۔ انبیاء ؑ کے بعد بہترین ہستیاں صحابہ کرام ؓ ہیں، پھر اولیاء صلحاء ہیں لیکن یہ

سب محفوظ ہوتے ہیں معصوم نہیں۔ اللہ کریم گناہ سے ان کی حفاظت کرتا ہے' لیکن وہ معصوم نہیں ہوتے اس لئے گناہ کا خطرہ ان کے ہاں موجود رہتا ہے۔ پھر درجہ ہے عوام الناس کا تو ہر انسان میں کچھ اچھائیاں ہوتی ہیں' کچھ برائیاں ہوتی ہیں' کبھی کوئی غلطی میاں سے ہوسکتی ہے اور کوئی بری عادت بیوی میں بھی ہوسکتی ہے۔ نکاح کے بعد جب وہ اللہ کے نام پر ایک بندھن میں بندھ جائیں تو پھر انہیں ایک دوسرے کی اصلاح بھی کرنی چاہئے۔ اگر بیوی سے غلطی ہوئی ہے تو میاں اسے خود ذاتی طور پر سمجھائے کہ اگر مہمان گھر آگئے ہیں تو کھلے دل سے ان کا استقبال کرو۔ اگر مہمان نوازی نہیں کروگی تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔ یہ میرے والدین ہیں تو یہ تمہارے بھی والدین ہیں' تم والدین کی طرح ان کی خدمت کرو'ان کی عزت کرو'اسی طرح تمہارے والدین بھی میرے لئے اپنے والدین کی طرح قابل عزت ہیں۔ یہ میرے بھی ذمے ہے کہ میں اپنے والدین کی طرح انہیں پیار اور عزت دوں۔ تم بھی میرے والدین کو وہ عزت دو جو تم اپنے والدین کو دیتی ہو۔ یہ ہے سلیقہ باہمی انس کو قائم رکھ کر زندگی کو رواں کرنے کا۔

حق مہر کی اہمیت اور سلیقۂ ادائیگی:

بغیر حق مہر کے نکاح تو ہو جاتا ہے' لیکن اس کے نہ ہونے کا جرم باقی رہ جاتا ہے۔ اس کی ادائیگی بے حد ضروری ہے۔ اللہ کریم کی تمام ہدایات میں بے پناہ مصلحتیں ہوتی ہیں' مہر کے ضمن میں جو مصلحت میری سمجھ میں آتی ہے' وہ یہ ہے کہ بچی ایک الگ گھر میں پیدا ہوتی ہے پلتی بڑھتی ہے' وہاں اس کی اپنی چیزیں ہوتی ہیں' کچھ نہ کچھ کم یا زیادہ اس کی ملکیت میں ہوتا ہے' زمینداروں کے ہاں عموماً کوئی جانور بچوں نے اپنے لئے مختص کر رکھا ہوتا ہے۔ جب بچی نئے گھر جاتی ہے تو جو کچھ والدین کے گھر ہوتا ہے' وہ وہیں رہ جاتا ہے لہٰذا مہر کی صورت میں بچی کو یہ احساس دیا جاتا ہے کہ وہ نئے گھر میں ایک مہمان کی حیثیت سے نہیں آئی بلکہ گھر کا فرد ہے اور اس نئے گھر میں مہر کی صورت میں احساس ملکیت حاصل ہوتا ہے لہٰذا مہر اتنا دیا جائے کہ وہ محسوس کرے کہ وہ گھر میں مسافر نہیں مالک ہے' یہ اس کا بھی گھر ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ مہر میں رقم ہی دی جائے بلکہ کسی بھی صورت میں مہر دیا جاسکتا ہے' لیکن پھر وہ چیز اس کی ملکیت میں ہو' اس پر اس کا پورا تصرف ہو' خواہ اسے زیور دیا جائے یا جانور ملکیت میں دے دیئے جائیں یا زمین کا ٹکڑا' لیکن مہر کا حق تب ہی ادا ہوتا ہے جب آپ اسے اتنا کچھ دیں جس سے اسے احساس ہو کہ اس کا بھی اس گھر میں حصہ ہے' اتنے کی وہ بھی مالک ہے۔ شرعی حق مہر کے نام سے 32 روپے کی جو رقم رائج ہے' اسے اس کی روح کے بغیر سمجھا گیا ہے جو غلط ہے۔ حق یہ ہے کہ اس زمانے کے ساڑھے بتیس دینار کو اگر آج کے سکے کے مطابق حساب لگایا جائے تو وہ اتنی بڑی رقم بنتی ہے کہ شاید سارا اسلام آباد اس سے خریدا جاسکے۔ سونے کا دینار اس وقت کا سکہ تھا' ایک دینار کا وزن بہت تھا۔ آج بالفرض تیس ہزار روپیہ تولہ ہے تو اس کا حساب کر کے دیکھا جائے تو آج ہم 32 روپے دے کر خانہ پُری کرتے ہیں۔ شرط تو پوری ہو جاتی ہے اس کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ علماء حق نے مہر کی رقم کی تعیین پر بہت بحثیں کی ہیں اور اس ضمن میں یہ لکھا ہے کہ کم از کم مہر اتنا ہونا چاہئے کہ اس خاندان کے رہائشی Status کے مطابق ایک ماہ کے خرچ کے برابر ہو۔ ہر خاندان کا رہنے سہنے اور ماہانہ خرچ کا اپنا ایک معیار ہے کوئی پانچ ہزار میں مہینہ گزار لیتا ہے کوئی پچاس ہزار میں اور کوئی لاکھ میں بھی نہیں گزار سکتا تو جس گھر میں اس کی شادی ہو رہی ہے ان کے ایک ماہ کے اخراجات کے برابر بچی کا حق مہر ہونا چاہئے یہ کم از کم ہے۔ لیکن بہتر اور مفید طریقہ یہ ہے کہ رقم کے بجائے املاک میں اسے حصہ دیا جائے کسی کے پاس ایک دکان ہے اس کا 1/10 حصہ کی ملکیت اسے دیدی جائے۔ اسی طرح دیگر املاک میں حصہ داری دی جاسکتی ہے اور جو کچھ مہر میں دیا جاتا ہے' وہ لڑکی کی ذاتی ملکیت ہوتا ہے چاہے وہ اس سے کاروبار کرے یا خرچ کر دے یا

کسی کو دے پھر اس پر اس کے میاں، ساس یا سسر کا تعرض نہیں ہوتا، یہ اس کا ذاتی ہوتا ہے اور وہ اس طرح اس گھر میں مالک بن جاتی ہے۔

فرمایا: فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربع فان خفتم الا تعدلوا فواحدہ (النساء۔۳)۔ اگر تم چاہو تو ایک وقت میں دو تین چار تک شادیاں کر سکتے ہو، مگر ایک شرط کے ساتھ وہ شرط ہے عمل کرنے کی۔ اگر تمہیں یہ خطرہ ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو پھر نہ دو کی اجازت ہے نہ تین کی نہ چار کی۔ اب جس نے انصاف کیا یا نہیں کیا اس کا معیار یہ دنیا نہیں۔ دلی کیفیات پر تو پکڑ نہیں ہوگی کہ یہ بے اختیاری چیز ہے لیکن تمام بیویوں کو عزت و احترام ایک جیسا دینا اور اخراجات میں انصاف کرنا لازم ہے اور اگر یہ نہیں ہو سکتا تو پھر یہ سودا بہت مہنگا پڑے گا۔ اگر یہ خطرہ ہو کہ برابری نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی شادی کافی ہے۔ پھر دو، تین یا چار کے بارے جوابدہی کا ذمہ نہ اٹھاؤ۔ میدان حشر میں زندگی کے بے پناہ مسائل پر جواب دینا ہے اپنے لئے ایک نئی مصیبت کھڑی نہ کرو کہ آخرت میں ایک اور جواب دہی کرنی پڑے۔

ساس کی فراخ حوصلگی اور بہو کی خوش معاملگی:

گھر کے بزرگوں اور بڑوں کی گھر میں ایک حکومت ہوتی ہے اور ہونی بھی چاہئے، لیکن آنے والی بچی کو بھی اس گھر میں ایک جائز مقام ملنا چاہئے اس کیلئے جہاں بچی کیلئے ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر کے والدین کو عزت و احترام دے، وہاں گھر کے بزرگوں کیلئے بھی لازم ہے کہ وہ بچی کو شفقت و محبت دیں۔ فراخ حوصلگی کے ساتھ نبھائیں، اس تعلق کو مضبوط کرنے کیلئے باہمی انس کے ساتھ رشتہ کریں اس انس کو قائم رکھنے کیلئے ماحول سازگار رکھیں۔ جو رشتے اللہ کی رضا اور نبی کریم ﷺ کی سنت کے مطابق بنتے ہیں، ان میں دونوں خاندانوں میں محبت کا رشتہ استوار ہو جاتا ہے، وہ ایک دوسرے کی عزت کے رکھوالے ہوتے ہیں اور یہی رشتہ غیر شرعی طریقے سے ہو تو دشمنی بن جاتا ہے۔

خواتین کی باہمی گفتگو سنی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ عموماً کس نیت سے رشتے طے کئے جاتے ہیں اور اس کے کیا نتائج نکلتے ہیں۔ ہمارے ہاں علاقے میں بھی یہ محاورہ رائج ہے کہ "ذرا اس کے بال میرے پاؤں کے نیچے آ جائیں تو پھر میں اس خاندان سے بات کروں گی۔" اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ ایک دفعہ ان کی بیٹی میرے گھر آ جائے تب میں دیکھوں گی۔ اگر ایسے ارادوں کے ساتھ رشتہ کیا جائے، تو اس کا نتیجہ جھگڑا فساد، ایک دوسرے کا قتل ہوگا۔ لہٰذا نیک نیتی کے ساتھ بچے اور بچی کا گھر بسانے کی نیت کے ساتھ شریعت کی پاسداری کرتے ہوئے رشتہ کیا جائے اور ساس کو سسر کو گھر کے بزرگوں کو برداشت کرنا چاہئے۔ ساس اور بہو کو ایک دوسرے کو فتح کرنے کے بجائے ایک دوسرے پر غلبہ پانے کی کوشش کی بجائے ایک دوسرے کے حقوق کی پاسداری کرنی چاہئے، لیکن یہ بڑی بدنصیبی ہے کہ جب تک بہو گھر نہ آ جائے ساس تعریفوں کے پل باندھتے نہیں تھکتی اور گھر لاتے ہی شکایات شروع ہو جاتی ہیں کہ بڑی نک چڑھی ہے، دیر تک سوئی رہتی ہے، کام نہیں کرتی، پانی تک نہیں پلاتی وغیرہ وغیرہ۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میاں بیوی کو معتوب کرنے میں لگ جاتا ہے، بیوی اپنی حکومت قائم کرنے کی کوشش میں لگ جاتی ہے یوں اکثر خاندان برباد ہو جاتے ہیں۔

نکاح ایک دوسرے کو فتح کرنے یا ایک دوسرے پر غلبہ پانے کیلئے نہیں کیا جاتا، بلکہ نکاح اس لئے کیا جاتا ہے کہ مل کر ایک نئے خاندان کی بنیاد رکھیں۔ اپنے کردار کو ایسا بنائیں کہ ان کی اولاد نیک، صالح، شریعت پر چلنے والی ہو۔ اگر ماں باپ کا آپس کا تعلق درست نہیں ہوگا، ایک دوسرے کو گالیاں بک رہے ہوں گے تو اولاد کہاں سے بااخلاق پیدا ہوگی۔

گھر کے بڑوں کی ذمہ داری:

لہٰذا گھر کے بڑوں کو برداشت کرنا چاہئے، آنے والی بچی کو اس کا حق ملنا چاہئے جتنا اس کا حصہ بنتا ہے جو اس کا مقام ہے اس کے مطابق اسے بھی رائے دینے کا حق ہونا چاہئے۔ مل جل کر رہنے میں برکت ہے، لیکن اگر مل جل کر رہنے کا حوصلہ نہیں، تو آپ نے بچے کی شادی کی ہے، اسے ایک گھر بنا دیں، روزگار بنا دیں، میاں بیوی کو کہیں کہ وہ اس گھر میں آرام سے رہیں۔ اگر مل کر رہنا ہے تو یہ بابرکت

ہے، لیکن اس میں ایک دوسرے کو برداشت کریں اور اگر مل کر رہنے میں جھگڑا اور فساد ہے، حوصلہ نہیں ہے، برداشت کی ہمت نہیں ہے تو پھر الگ کر دیں اسی میں عافیت ہے۔

اسلام نے تمام تعلقات کو ایک خوبصورت سلیقہ دیا ہے، جو تعلقات اسلام سے باہر رہ کر بنتے ہیں غیر شرعی طریقوں سے بنتے ہیں وہ ایک دوسرے کیلئے دشمنی پیدا کرتے ہیں ایک دوسرے سے بیزار کرتے ہیں۔

مغرب میں لبرل سوسائٹی سے فری سیکس ہے لیکن وہ بھی انسان ہیں اندر سے انہیں بھی اس طرح کے تعلقات کا دکھ ہے اور اس کے برے نتائج بھی ہمارے سامنے ہیں۔ اسلام نے نکاح سے بننے والے تعلق کو ایک خوبصورتی عطا کی ہے۔ اس میں اللہ کے نام پر اللہ کے نبی ﷺ کی سنت پر عمل پیرا ہو کر دونوں خاندانوں میں محبت کے ساتھ رشتہ بنتا ہے۔ پھر وہ ایک دوسرے کیلئے سہولت پیدا کرنے والے ایک دوسرے کے کام آنے والے بنتے ہیں۔ ایک دوسرے کی عزت بڑھانے والے بنتے ہیں اور اگر شرعی طریقے سے نکاح کر کے بھی دونوں خاندانوں میں دشمنی پیدا کر دی تو گویا نکاح کے مفہوم کو ہی نہیں سمجھا گیا۔

شریعت محمدیہ علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام بہت خوبصورت ہے: بہت پیاری ہے اور بہت آسان۔ آسان اس لئے ہے کہ یہ انسانی مزاج کے مطابق ہے۔ شریعت کا کوئی حکم ایسا نہیں جو انسانی مزاج کے خلاف ہو کیونکہ شریعت اس قادر مطلق نے بنائی ہے، جس نے خود انسان بنایا ہے۔ انسان کا مزاج بنایا ہے اور اس کی ضروریات بنائی ہیں۔ جب اللہ کریم نے ہمیں کلمہ نصیب فرمایا ہے اور حضور ﷺ کا امتی بنایا ہے تو ہمیں اس بات کا احساس بھی ہونا چاہئے کہ جس رشتے کو ہم اللہ کے نام پر اللہ کے رسول ﷺ کے طریقے پر اللہ کے دین پر چل کر اللہ کی اجازت سے کر رہے ہیں، اس رشتے کو خوبصورتی سے نبھانا چاہئے۔ اللہ کریم توفیق دے بچوں کو نیکی کی صلاحیت دے، آپس میں محبت و پیار دے، والدین کیلئے عزت و احترام کا جذبہ دے۔ دونوں خاندانوں کو آپس میں الفت دے اور بچوں کی بہتری کا سبب بنائے۔

واخر دعونا عن الحمدللہ رب العلمین۔☆

انتقال پر ملال

سلسلہ عالیہ کے سینئر اور بزرگ ساتھی اور صدر الاخوان لاہور راشد عبدالقیوم کے والد محترم کرنل (ر) عبدالقیوم (لاہور) قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔ ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

دعائے مغفرت

1- سلسلہ عالیہ کے ساتھی ارشاد احمد (مریدکے) کی والدہ ماجدہ

2- سلسلہ عالیہ کی ساتھی اور اللہ دتہ تمیمی (لاہور) کی ہمشیرہ وفات پا گئیں۔

3- سلسلہ عالیہ کے ساتھی غلام عباس (گوجرانوالہ) کے والد محترم وفات پا گئے۔

4- سلسلہ عالیہ کے ساتھی وقار اسلام اور عبدالحمید چھینہ (ڈسکہ) کے برادر نسبتی وفات پا گئے۔

5- سلسلہ عالیہ کے ساتھی ڈاکٹر شہباز احمد (اویسیہ سوسائٹی لاہور) وفات پا گئے۔ ان سب کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

6- سلسلہ عالیہ کے ساتھی محمد ادریس (کراچی) کی اہلیہ محترمہ وفات پا گئیں۔

دنیا آخرت کا عکس ہے۔

☆......کتنی عجیب بات ہے کہ دنیا کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک لوگ تجلیات باری دیکھتے ہیں۔ اپنے دل میں محسوس کرتے ہیں۔ لوگ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ سے مشرف ہوتے ہیں۔ زیارت نبوی ﷺ سے مشرف ہوتے ہیں۔ لوگ دونوں جہانوں کو نہ صرف سنتے ہیں بلکہ دیکھ پاتے ہیں، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے یہ صرف کہنے کی بات نہیں ہے، یہ بہت عجیب بات ہے۔ اس کا اندازہ وہ لوگ کریں گے جو ہمیں نہیں پاسکیں گے۔ انہیں اندازہ ہوگا کہ کیسے لوگ تھے اور کاش ہمیں وہ وقت ملا ہوتا۔ یہ نعمت ہم نے بھی حاصل کی ہوتی، لیکن یہ بات مت بھولئے کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں ہے۔ میں بھی ایک مشتِ غبار ہوں۔ رب کریم کی مرضی کہ اس نے کس کے ذمے کیا کیا خدمت سپرد کر دی ہے یہ اس کی اپنی مرضی۔

(اقتباس از کنز الطالبین)۔

تعاون

احمد دین ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینوفیکچررز آف پی سی یارن

پُل کوریاں، سمندری روڈ فیصل آباد فون 2-2667571-041

حضرت جی مدظلہ بطور اکانومسٹ

محمد منیر ایاز

آرائش جمال سے فارغ نہیں ہنوز

پیش نظر ہے آئینہ دائم نقاب میں

مرزا نوشہ نے یہ شعر شاید اپنی کسی محبوب ہستی ہی کیلئے لکھا ہوگا لیکن اس شعر کا جامۂ زریں بغیر کسی کتر بیونت کے عقل محض کی نارسا دوشیزۂ فکر کیلئے بھی عین موزوں (Just Bit) ہے جو صدیوں کی ٹھوکریں کھا کر بالآخر اس نتیجے پر پہنچتی ہیں کہ......

''اس سے کسے انکار ہوسکتا ہے کہ ''عقل'' انسان کا امتیازی نشان ہے۔ یہ بھی ہر ایک کو تسلیم ہے کہ عقل متاع گراں بہا ہے۔ ایسے ہی جیسے فن لطیفہ کا کوئی شاہکار گراں قدر ہوتا ہے۔ لیکن یہ چیز محتاج وضاحت ہے کہ عقل کے فیصلے کس صورت میں مطلق اور واجب التعمیل قرار پاتے ہیں۔ عقل تو صرف دلائل فراہم کرتی ہے، جن کی تردید دوسرے دلائل سے ہوسکتی ہے۔ اس لئے اس پر اصرار کرنا غلطی ہے کہ ہماری اور آپ کی عقل ایسی گراں بہا ہے کہ وہ مجبوراً ہم سے اپنی عظمت کا اعتراف کرالے اور اپنے فیصلوں کو منوالے۔ ہمیں اس کے ساتھ یہ بھی کہنا ہوگا کہ عقل وبصیرت کے پیچھے ''وہ انسان'' ہیں جنہوں نے نوع انسانی کو خدائی رنگ میں رنگ دیا اس طرح عقل کو لاہوتی سند عطا کردی۔ ''یہ وہ گراں قدر ہستیاں'' ہیں جو ہمیں ایک ''مثالی معاشرہ'' کی طرف کشاں کشاں لے جاتی ہیں۔''

(Bergson- The Two Sources of Morality and Religion)

یہ تو ہوا مثالی معاشرہ کی تشکیل میں ناکامی پر مغرب کا نوحہ آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اس ضمن میں مشرق کا بین کیا ہے۔

''ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جس شخص میں کائناتی شعور بیدار ہو جاتا ہے...... اس کے ادراک میں ایک ایسی ''نورانیت'' پیدا ہو جاتی ہے جسے ہم الفاظ میں بیان نہیں کرسکتے۔ اس انسان کے شعور کے سامنے کائنات کا مقصود ومفہوم، بجلی کی سی چمک کے ساتھ غیر مبہم طور پر بے نقاب ہو جاتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو محض عقیدتاً نہیں مانتا، بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے کہ یہ عظیم القدر کائنات، جو عام نگاہوں میں ایک غیر ذی حیات مادہ کے ڈھیر کے سوا کچھ نہیں فی الحقیقت حیات مشہود ہے۔ وہ اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرلیتا ہے کہ انسانی زندگی ہمیشہ رہنے والی ہے، اسے فنا نہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر وہ محسوس کرتا ہے کہ کائنات جو کچھ دکھائی دیتی ہے فی الحقیقت ایسی نہیں۔ اس میں جن باتوں کو دراصل اہمیت دینی چاہئے، وہ وہ نہیں جنہیں عام طور پر اہمیت دی جاتی ہے۔ اس طرح اس کے نزدیک زندگی کی اقدار اور حقیقت کے متعلق اس کے شعور کے تمام تصورات بدل جاتے ہیں، جسے اس سے پہلے اصل سمجھا جاتا تھا وہ سراب بن جاتا ہے اور جسے سراب قرار دیا جاتا تھا، وہ اصل اور حق بن جاتا ہے۔

وہ اس طرح ایک ایسے مقام پر فائز ہوتا ہے جہاں وہ ان تمام سیاسی اور معاشرتی مسائل کو جو دور حاضرہ میں اس طرح ہمارے گلوگیر ہو رہے ہیں۔ اس انداز سے حل کر کے رکھ دیتا ہے۔ جس کا ہم تصور بھی نہیں کرسکتے۔ اسی سے ایک ایسی ملت تیار ہو جاتی ہے جو اپنے مقام کو پہچانتی ہے اور تمام اقوام وملل سابقہ کے اعمال وکردار کیلئے میزان بن جاتی ہے۔

اس کائناتی شعور کی بیداری کے بغیر زندگی میں نظم و ربط ناممکن ہے۔ ایک عرصۂ دراز سے مادہ کے ڈھیر کے نیچے دبے ہوئے انسان نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ محض عقل کے زور پر دنیا میں زندہ رہا جا سکتا ہے لیکن آہستہ آہستہ یہ حقیقت ان پر منکشف ہوتی جا رہی ہے جنہیں فطرت نے آنکھیں دی ہیں کہ محض عقل منطق سے زندگی میں نظم پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ اگر موجودہ انسان اسی روش پر قائم رہے تو وہ اگر ان قبائل و اقوام کی طرح جن کا وجود طبیعی طور پر دنیا سے مٹ چکا ہے، فنا نہ بھی ہوئے تو بھی اپنے لئے وہ ایسے حالات پیدا کر لیں گے (جو بھی سے پیدا ہو چکے ہیں۔ جن کے ماتحت زندگی ناممکن ہو جائے گی۔ ایسے حالات میں جن میں ہر وہ متاع جو انسان کے پاس ہے اس سے چھن جائے گی۔ وہ متاع جو اسے "ان انسانوں" سے ملی تھ جن کا کائناتی شعور بیدار ہو چکا تھا اور وہ اپنے آپ کو پہچانتے تھے۔

اس لئے مستقبل عام انسانوں کے ہاتھ میں نہیں۔ وہ ایسے انسان کے ہاتھ میں ہے جو "فوق البشر" ہے جو ہم میں پہلے ہی پیدا ہو چکا ہے اور زندہ و پائندہ موجود ہے۔"

(Ouspensky- Tretium Dreganum)

مشرق و مغرب کی یہ تمنائے زندگی یقیناً بے داد نہیں کیونکہ وہ خلاق عالم جس نے انسان کو پیدا کیا اس نے انسان کی اسی رہنمائی کیلئے جو اس کے بحیثیت انسان زندہ رہنے کیلئے ضروری تھی مناسب بندوبست بھی فرمایا۔

لیکن یہاں پہنچ کر عقل محض شاید جوش گریہ یا تمنا کی بے تابیوں کی رو میں بہہ کر ایک مرتبہ پھر ٹھوکر کھاتی گئی کہ بشر کی رہنمائی "فوج البشر" کی بشر ہی کی ضرورت تھی جو کہ "بشر رسولا" کی صورت میں جلوہ گر ہوئی۔

اسی لئے سب سے پہلا انسان "آدم" سب سے پہلا "نبی" بھی تھا کہ فوق البشر تو نہ تھا البتہ "فوق البشر ذرائع" سے "فوق البشر ذات" کی طرف سے مبعوث ہو کر زندگی کے تمام مسائل کا حل اسی کائناتی شعور کی سطح پر بتاتا تھا جس کی اس کے زمانے میں ضرورت تھی۔ یہ سلسلہ ذات ختم المرسلین ﷺ پر پہنچا تو اپنے تمام و کمال کو پا گیا اس لئے کہ آپ ﷺ کی صورت قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے تمام مسائل کا حل نہ صرف تحریری شکل میں عطا کر دیا گیا بلکہ ذات محمد رسول اللہ ﷺ کا کمال یہ ہے کہ عملی طور پر نافذ بھی کر کے دکھا دیا گیا۔

یہاں پہنچ کر قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ختم نبوت کے بعد وہ فریضہ جو بیدار کائناتی شعور کے حامل انسان نے سرانجام دینا تھا وہ کون سرانجام دے گا۔ اس کا جواب ہم حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کے الفاظ میں دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرمایا:

"اے فرزند ایں وقت آنست کہ در امم سابقہ دریں طور وقتے پر از ظلمت پیغمبر اولوالامر مبعوث می گشت و احیائے شریعت جدیدی کردو درایں امت کہ خیرالامت است و پیغمبر ایشاں خاتم الرسل، علماء را مرتبۂ انبیائے بنی اسرائیل دادہ اند و بوجود علماء از وجود انبیاء کفایت فرمودہ اند......

"اے بیٹے یہ وقت ہے کہ امم سابقہ میں اس قسم کے دور ظلمت میں اولوالامر پیغمبرؑ مبعوث ہوا کرتے تھے اور احیائے شریعت کیا کرتے تھے اور اس امت میں کہ خیرالامت ہے اور اس کے پیغمبرؑ خاتم المرسل ہیں۔ عطا کو مرتبۂ انبیائے بنی اسرائیل دیا گیا ہے اور علماء کے وجود سے انبیاء کے وجود کی کفایت کی گئی ہے۔"

(مکتوب بنام خواجہ محمد صادق پسر شیخ مجدد مکتوبات امام ربانی جلد اول ص 234)۔

تو گویا اب تا قیامت انبیاء کا نعم البدل علماء امت ہیں اور یہ بات طے ہے کہ صاحب زمانہ صوفی وقت کا سب سے بڑا عالم ہوتا ہے جو کہ گاہے مروجہ اور روایتی طریقہ ہائے تعلیم سے تعلیم حاصل کرتا ہے

گاہے کشف والہام کے ذریعے علم لدنی سے نوازا جاتا ہے۔

یہاں پہنچ کر علم لدنی اور کشف والہام کے متعلق معتزلہ کے پیدا کردہ ایک ابہام کا جواب ضروری ہو جاتا ہے پہلے وہ ابہام ملاحظہ فرمائیے:

"انسانی علم کا عام ذریعہ اس کی عقل ہے...... اس طرح وہ علم الادراک سے تصورات وضع کرتا ہے......لیکن قرآن کریم کی رو سے انسانی علم کا ایک اور ذریعہ بھی ہے جسے وحی کہا جاتا ہے۔ یہ علم انسان کو...... براہ راست خدا کی طرف سے حاصل ہوتا تھا۔ یعنی یہ علم انسانی فکر کا پیداہ کردہ "داخلی" نہیں ہوتا تھا بلکہ اسے خارج سے ملتا تھا۔ یہ مخصوص تھا حضرت انبیائے کرام سے۔ یہ آخری مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کو ملا اور اس کے بعد یہ ذریعہ علم ہمیشہ کیلئے ختم کر دیا گیا۔ اسے ختم نبوت اور اسی جہت سے حضورؐ کو خاتم النبیین کہتے ہیں...... لیکن تصوف کی بنیاد اس عقیدہ پر ہے کہ خدا کی طرف سے براہ راست علم حاصل کرنے کا ذریعہ اب بھی موجود ہے۔ ختم نبوت سے پہلے اسے وحی کہتے تھے۔ اب اسے کشف والہام کہا جاتا ہے۔"

(غلام احمد پرویز۔ معراج انسانیت 449-448)۔

اس سے آگے چل کر مصنف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کشف والہام عقیدہ ختم نبوت کے نقیض ہیں لہٰذا یکسر مسترد کر دینے کے قابل۔

لیکن وائے افسوس اب اسے کیا کہیے کہ مصنف کو یا تو انبیاء کی وحی اور اولیاء کے کشف والہام میں جو واضح فرق ہے اور جس کو ہر زمانے کے علماء' صوفیا انتہائی صراحت اور شدت کے ساتھ بیان فرماتے آئے ہیں اس فرق کے سمجھنے میں غلط فہمی ہوئی یا کمال علمی بد دیانتی سے اسے اپنی مرضی کا رنگ دے کر تصوف اور صوفیا کے خلاف استعمال کیا جو کہ قابل مذمت ہے۔

ہم اس کا جواب علماء ربانی' صوفیائے سبحانی نہیں بلکہ پرویز ہی کی طرح کے ایک دانشور ڈاکٹر برہان احمد فاروقی کی زبان میں دیتے ہیں:

"کشف کے لغوی معنی ہیں کھولنا۔ نور باطن کے ذریعہ سے واقعات و حقائق (حقائق مادی و روحانی) کا ادراک کشف ہے۔ عموماً یہ صور ذہنی اور علامات کی شکل میں واقع ہوتا ہے۔ شہود بلا واسطہ ادراک ہے ذات وصفات الٰہی کا۔ الہام کے معنی ہیں دل میں کسی بات کا پڑنا۔ اصطلاحاً یہ مخصوص ہے اولیاء اللہ کے ساتھ۔ دراصل یہ عالم بالا سے ہدایت کا حاصل ہونا ہے' جو ہدایت اس طرح حاصل ہوتی ہے وہ چونکہ پوری طرح محقق نہیں ہوتی' لہٰذا اس کی پیروی سب پر لازم نہیں ہوتی بلکہ اس کا لزوم صرف ان کیلئے ہے جنہیں یہ حاصل ہوا ہو بشرطیکہ وہ وحی کے (جو انبیاء کیلئے مخصوص ہے) خلاف نہ ہو۔"

(نظریۂ توحید از ڈاکٹر برہان احمد فاروقی وضاحتی نوٹ برصفحہ 13-14)

اور پھر علامہ اقبالؒ نے معتزلہ کا منہ یہ کہہ کر ہمیشہ کیلئے بند کر دیا کہ

مری مشاطگی کی کیا ضرورت دست قدرت کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حنابندی

قارئین محترم وہ اقبالؒ کا مہدیٔ برحق جس کی نگاہ زلزلۂ عالم افکار ہے یا حکیم مشرق ہی کا دیدہ ورا اور دانائے راز جس کی تمنا میں حیات عمرہا کعبہ و بت خانہ میں مصروف نالہ رہتی ہے یا برگساں جس کی تلاش میں سرگرداں رہا وہ گراں قدر ہستی جو نوع انسانی کو خدائی رنگ میں رنگ کر مثالی معاشرہ تشکیل دیتی ہے یا روس پنسکی کا کائناتی شعور رکھنے والا شخص آپ اسے جس صورت میں بھی تلاش کریں اس کا ظہور ہو چکا ہے۔

وہ جو دنیا کے تمام ممالک اور ملک عزیز کے قریہ قریہ تک بنفس نفیس اپنا لاہوتی پیغام پہنچا کر ایک عرصہ سے اپنے مشائخ کے تاب فرمان دارالعرفان کی خلوتوں میں مراقب و گوشہ نشین ہے کہ اگلا حکم موصول ہو تو یہ حرکت کرے اور عالم انسانیت کو عملاً وہ پروگرام نافذ کر کے دکھائے جس میں پوری انسانیت کے تمام دکھوں کا حل موجود ہے۔☆

معرکہ حق و باطل

انور علی شاہ

ارض پاکستان اور افغانستان میں ''دہشت گردی'' کے خلاف جاری جنگ کے خدوخال کا جائزہ لینے کیلئے اور اس جنگ کے مضمرات، پیش رفت اور حتمی نتیجہ پر غور کرنے کیلئے ضروری ہے کہ مندرجہ بالا خبروں کو بین السطور پڑھا جائے۔

گورے امریکیوں نے فوج میں بھرتی ہونا چھوڑ دیا ہے۔ اوبامہ کے صدر بننے کے بعد پہلے تین ماہ میں دس ہزار سے زائد سیاہ فام نوجوان امریکی فوج میں بھرتی ہو چکے ہیں۔

آئندہ چند سال کے دوران 70 فیصد سے زائد امریکی فوج سیاہ فاموں پر مشتمل ہو گی۔

محتاط اندازے کے مطابق امریکہ 25 ارب ڈالر سالانہ افغانستان میں جاری جنگ میں خرچ کر رہا ہے۔

امریکہ کا بجٹ خسارہ پونے دو کھرب ڈالر تک پہنچ گیا ہے۔

قرضوں کے بوجھ میں پونے چار ارب ڈالر روزانہ کے حساب سے اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کا ہر شہری 36 ہزار ڈالر سے زیادہ کا مقروض ہے۔

امریکہ کے بینک اور مالیاتی ادارے ڈوب رہے ہیں۔ کمپنیاں دیوالیہ ہو رہی ہیں، بیروزگاری بڑھ رہی ہے اور امریکی معیشت Point of no return تک پہنچ گئی ہے۔

ان خبروں کا جائزہ لینے کے بعد یہ باور کرنے کیلئے کسی کشف کی ضرورت نہیں کہ امریکہ تباہی کے راستے پر گامزن ہے۔ یہی بات ایک روسی دانشور نے کہی تھی کہ بہت جلد امریکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ سوویت یونین کے بعد اب امریکہ کی باری ہے۔ افغانستان میں جاری جنگ امریکی سامراج کی تباہی کا پیش خیمہ بنے گی۔

اب کچھ خبریں وطن عزیز کے حوالے سے بھی سنیں۔

امریکی ذرائع ابلاغ کے ذریعے ڈرون حملوں کو بلوچستان تک وسیع کرنے کی فضا بنائی جا رہی ہے کیونکہ امریکی فوجی حکام کے بقول القاعدہ اور طالبان کی پوری قیادت بلوچستان میں موجود ہے۔

امریکی عہدیداروں کا کہنا ہے کہ ڈرون حملے پاکستان کی سرزمین کو دہشت گردوں سے پاک کرنے کیلئے ناگزیر ہیں۔

امریکی حکام نے سوات کے امن معاہدے پر تنقید کرتے ہوئے اسے ختم کرنے پر زور دیا۔

اس جنگ میں 2 ہزار کے لگ بھگ فوجی افسر اور جوان جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ ملک کے مختلف حصوں میں فوجی قافلوں، چوکیوں، اہم تنصیبات، عام شہریوں پر حملے جاری ہیں، جس سے غیر معمولی نقصانات ہوئے ہیں تاہم امریکہ عسکریت پسندوں کے خلاف تیزی لانے کا خواہشمند ہے۔

امریکی تھنک ٹینک اور انٹیلی جنس ادارے دیکھ رہے ہیں کہ ڈرون حملوں کی وجہ سے پاکستانی عوام میں امریکہ کے خلاف نفرت بڑھ رہی ہے۔

پاکستانی حکومت نے کہا ہے کہ امریکہ ڈرون طیارے اور جدید ٹیکنالوجی ہمیں فراہم کرے۔ دہشت گردوں کے خلاف کارروائی ہم کریں گے یہ جنگ ہماری اپنی جنگ ہے۔

افغانستان اور پاکستان کیلئے امریکہ کے خصوصی نمائندے رچرڈ ہالبروک نے کہا ہے کہ بھارت کی مدد کے بغیر افغانستان سمیت دیگر اہم مسائل حل نہیں کئے جاسکتے۔ خطے کی اہم طاقت ہونے کی وجہ سے بھارت کا کردار انتہائی اہم ہے۔ پاکستان میں عسکریت پسندوں کو شکست دینا افغانستان میں کامیابی کی بنیادی شرط ہے۔

صدر اوبامہ نے افغانستان میں اپنی مقصدیت کی وضاحت کرتے ہوئے پانچ امور کی نشاندہی کی۔

1- نائن الیون کے منصوبہ بندی کرنے والے دہشت گرد افغانستان اور پاکستان میں چھپے ہوئے ہیں۔

2- القاعدہ علاقے کی محفوظ پناہ گاہوں سے امریکہ پر ایک اور حملے کی تیاری کر رہی ہے۔

3- افغانستان ایک بار پھر طالبان کے قبضے میں چلا گیا تو ملک ایک بار پھر دہشت گردوں کا اڈہ بن جائے گا۔

4- اسامہ بن لادن اور ایمن الظواہری علاقے میں چھپے بیٹھے ہیں۔

5- طالبان کی حکومت قائم ہونے کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر وہی سفاک لوگ واپس آجائیں گے۔ افغانستان پھر سے عالمی تنہائی کا شکار ہو جائے گا۔ اکانومی مفلوج ہو جائے گی اور افغان عوام کے بنیادی حقوق ختم ہو جائیں گے۔

کسی نے کیا خوب کہا تھا:

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

یہ تصویر تو دنیا کو دکھانے کیلئے ہے، اصل اہداف کچھ اور ہیں مثلاً پاکستان کو غیر مستحکم کرنا، پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر قبضہ، خطے میں بھارت کی بالادستی، اسلام پسند قوتوں کا خاتمہ اور پٹھو حکومتوں اور این جی اوز کے ذریعہ 'لبرل اسلام' کا نفاذ، روسی اور چینی عزائم کا سدباب، وسط ایشیا کی معدنی دولت پر قبضہ وغیرہ۔ ان اہداف کے علاوہ بھی کچھ اور اہداف امریکی ایجنڈے پر ہوں گے۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں کہ دراصل یہ اسلام کے خلاف جنگ ہے۔ امریکہ اسلام کو پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتا کیونکہ احیاء اسلام کی کوئی تحریک مغربی تہذیب کی موت ہے۔ طالبان کا قصور صرف اتنا تھا کہ وہ اسلامی اقدار کی سربلندی چاہتے تھے۔

اگر اسلامی نظام افغانستان میں جڑ پکڑ لیتا تو اس کے اثرات دوسرے خطوں پر بھی پڑتے اور اس طرح اسلامی انقلاب کی بنیاد پڑ جاتی۔ یہ امریکہ اور مغربی طاقتوں کو کسی طرح گوارہ نہ تھا۔

امریکہ افغانستان میں سنگلاخ پہاڑوں سے ٹکرا رہا ہے۔ اس کی افواج قاہرہ جدید ترین اسلحہ اور ہلاکت آفریں ٹیکنالوجی کے ساتھ چھاؤنی ڈالے بیٹھی ہے۔ اس کے مدمقابل افلاس کے مارے لوگ ہیں، جن کے پاس ٹینک ہیں نہ توپیں۔ ان کا سب

سے بڑا ہتھیار غیر متزلزل ایمان اور فولاد جیسا عزم ہے کہ وہ کسی غاصب کو اپنی سرزمین پر قدم نہیں جمانے دیں گے۔ امریکیوں کو پتہ چل چکا ہے کہ اپنی جانیں ہتھیلی پر لئے پھرنے والوں کو شکست دینا ممکن ہی نہیں۔ دنیا کچھ بھی کہے حقیقت اتنی ہے کہ امریکی پرچم تلے ڈیرے ڈالنے والے غاصب ہیں۔ پھر افغانوں کی تو ایک تاریخ ہے' انہوں نے برٹش انڈیا کی افواج کو تہس نہس کیا' سوویت یونین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا' امریکی کس طرح افغانستان میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں نے تسلیم کیا ہے کہ افغانستان میں نیٹو فوجوں کو شکست ہو رہی ہے اور کامیابی کی کوئی امید نظر نہیں آ رہی۔

ڈرون بمباروں کے حملوں کے نتیجے میں خون مسلم بہہ رہا ہے جو رنگ لائے گا۔ امت میں بیداری کا شعور پیدا ہو گا اور مسلمان امریکی سامراج کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کیلئے کمر بستہ ہوں گے۔ اس وقت امریکہ نے بھارت کو افغانستان میں فری ہینڈ دے رکھا ہے۔ بھارت کی انٹیلی جنس ایجنسی ''را'' نہ صرف بلوچ قوم پرستوں کو فوجی ٹریننگ دے رہی ہے بلکہ انہیں فنڈ اور اسلحہ بھی مہیا کر رہی ہے۔ اس کا مقصد پاکستان کو غیر مستحکم کرنا اور پاکستان کی توجہ کشمیر سے ہٹانا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت بھارت اپنی بقا کی جنگ افغانستان میں لڑ رہا ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ بھارت کو خوب معلوم ہے کہ اگر خطے میں سکون ہو گیا تو پھر افغان مجاہدین جو سوویت یونین اور نیٹو فوجوں کے خلاف گوریلا جنگ لڑ کر باہر ہو گئے ہیں کشمیر میں داخل ہو سکتے ہیں اور کشمیر بھارت کے ہاتھ سے نکل سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی بھارت کے بعض صوبوں میں آزادی کیلئے چلنے والی تحریکوں کو مہمیز ملے گی جس کے نتیجے میں بھارت ٹکڑے ٹکڑے ہو سکتا ہے۔

یہ صورتحال بھارت کو گوارہ نہیں۔ جونہی کشمیر میں جدوجہد آزادی کو نئی زندگی ملی' بھارت پاکستان کو سبق سکھانے کیلئے حملہ کر سکتا ہے۔ حضرت مولانا اکرم اعوان مدظلہ نے اپنے 28 دسمبر 2001ء کے خطاب میں فرمایا:

''اس سارے پس منظر میں دیکھا جائے تو ہندوستان اور پاکستان کی جنگ ناگزیر ہوتی جاتی ہے۔ امریکہ نے بے شمار مخلوق تہہ تیغ کر دی' بے شمار خاندان اجاڑ دیئے۔ انشاء اللہ اس قتل عام کا ردعمل ہو گا...... ہندوستان حملہ آور ہو گا اور یہی ابتدا ہو گی غزوۃ الہند کی۔ افغانستان سے بھی ردعمل شروع ہو گا جو اپنے عروج پر پہنچ کر یہ بتائے گا کہ یہ غزوۃ الہند ہے۔

خطے کے حالات جس تیزی سے تبدیل ہو رہے ہیں' اس کو دیکھتے ہوئے یہ باور کرنا مشکل نہیں کہ امتحان کی گھڑی آ پہنچی۔ ڈرون حملوں کا ردعمل سامنے آ رہا ہے۔ بھارت نے شور مچانا شروع کر دیا ہے کہ طالبان کشمیر میں داخل ہو رہے ہیں۔ پاکستان کے خلاف سازشوں کا جال بنا جا رہا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ کشت و خون کا بازار گرم ہونے کو ہے۔ شاید ہماری سوچ سے بھی پہلے وہ سب کچھ رونما ہو جائے جس کا صدیوں سے انتظار تھا۔ معرکہ حق و باطل کی نمود قریب تر ہے۔ کون حق کا ساتھ دیتا ہے اور کون باطل کا' بہت جلد روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا۔ اس وقت پاکستان کو کسی صلاح الدین ایوبی کی ضرورت ہے۔ جس رب نے پاکستان کی حفاظت کرنی ہے' وہ اس معرکہ حق و باطل میں ایسا لیڈر بھی مہیا کرے گا۔ انشاء اللہ مسلمان جانفروش اس کے پرچم تلے اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے پاکستان کی حفاظت کریں گے اور ناموس رسالت ﷺ کیلئے جانیں دیں۔ فطرت کے اس معجزہ فن کی نمود کب ہو گی؟ نگاہیں منتظر ہیں۔

ذکر کی قوت

ذکرالٰہی شعبدہ بازی نہیں ''وقتی مشغلہ نہیں'' یہ صرف آخرت کی بخشش کا سبب بھی نہیں' اسے عمل کی قوت سمجھئے' کیونکہ آخرت کی بخشش دنیا میں کئے گئے افعال پر ہوگی اور اللہ سے اس طرح رابطہ رکھنا عمل کی پیدائش کا بہترین ذریعہ ہے جس سے صحابہؓ نے کام لے کر پوری نوع انسانی کی تاریخ کا رخ موڑ دیا۔ صحابہ کو بھی قوت عمل ذکرالٰہی ہی سے نصیب ہوئی۔ پوری دنیا جانتی ہے کہ ان سے پہلے پوری انسانیت کس قسم کی تباہی کی طرف جارہی تھی جسے نہ صرف صحابہ کرامؓ نے تباہی سے بچایا بلکہ اس زمانے میں دنیا کی تاریخ (اور جغرافیہ) دونوں بدل دیئے۔ ان چند خانہ بدوش عربوں میں اللہ کے اس ذکر کے تعلق ہی نے یہ قوت پیدا کی' ورنہ کہاں تھی اس دور میں قوم؟ کہاں تھی افرادی قوت؟ کہاں تھی سیاسی قوت؟ کہاں تھے ایسے وسائل؟

اقتباس از خطبات امیر)۔

یونیک انٹرنیشنل گارمنٹس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

یو۔کے ہوزری پل کوریاں، سمندری روڈ فیصل آباد فون 041-2664028 041-2665971

گھٹا سر پہ ادبار کی چھا رہی ہے

اوریا مقبول جان

باراک اوباما کا یہ فقرہ تاریخ کی وہ گونج ہے جو اس دور کے ہر اس ملک نے سنی جس کو تاخت و تاراج کرنے کے لئے امریکی دندناتے ہوئے چڑھ دوڑے۔ ایسے ہی مغربی ممالک کی کانفرنس منعقد ہوئیں، اسی طرح امریکہ اور برطانیہ کے سربراہوں نے مشترکہ صحافیوں کے سامنے کھڑے ہو کر اعلان کیا۔ پاکستان کے بارے میں کہے گئے اس فقرے میں الفاظ مختلف ہیں اور نہ مطالب و مفاہیم۔ کہا گیا ''ہم جو بھی ایکشن لیں گے، وہ پاکستانی عوام کے مفاد میں بہتر ہوگا۔'' عوام کے مفاد اور انہیں آمریت سے نجات دلانے کا نعرہ صدام حسین کے عراق پر حملہ کرنے سے پہلے بھی لگایا گیا تھا۔ ایک طویل عرصہ تک اس کے ظلم، بربریت اور آمرانہ اقتدار کے قصے میڈیا کے ذریعے عام کئے گئے۔ لیکن امریکہ اور مغرب کے عوام کو اس سے کوئی غرض نہ تھی کہ صدام کس طرح، کیسے یا کتنا عرصہ عوام پر اپنا جبر مسلط رکھتا ہے۔ یوں عوام کو قائل کرنے کے لئے افسانے تراشے گئے جن میں سے سب سے اہم عراق کے پاس خطرناک زہریلے ہتھیار کی موجودگی تھا۔ پہلے ان ہتھیاروں کی موجودگی سے مغرب کو خوفزدہ کیا گیا اور پھر آخر میں ایک ہی نعرہ کافی تھا کہ صدام حسین کے القاعدہ اور دہشت گردوں کے ساتھ روابط ہیں اور اس سے امریکہ کی سلامتی کو سخت خطرات لاحق ہیں اور پھر جب عراق میں امریکی فوجیں یلغار کر رہی تھیں تو بس ایک فقرہ بولا جا رہا تھا ''یہ سب ہم عراقی عوام کے مفاد میں کر رہے ہیں۔''

افغانستان کی داستان بھی اس سے مختلف نہیں۔ پہلے مغرب کو طالبان کے فرسودہ دقیانوسی، ظالم اور انسانی حقوق کے بدترین دشمن نظام سے روشناس کروانے کے لئے میڈیا مہم شروع کی گئی۔ میڈیا کی طاقت اور پراپیگنڈے کا اثر دیکھئے کہ گزشتہ کئی صدیوں میں اگر افغانستان میں امن عامہ کی بہتری، انصاف کی بالادستی اور عام آدمی کے لئے سکون تھا تو انہی پانچ سالہ دور میں۔ وہ جنہوں نے صرف ایک حکم سے دنیا کے سب سے زیادہ پوست پیدا کرنے والے اپنے ملک سے اس فصل کا خاتمہ کر دیا۔ افغان معاشرہ، جہاں ہر قبیلہ ایک دوسرے سے دست و گریبان تھا اسے اسلحے سے پاک کیا۔ وہ ڈیورنڈ لائن جسے اپنے قیام سے ایک صدی تک صرف سمگلنگ مجرموں اور قاتلوں کی آمد و رفت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ ایک شدید متنازعہ سرحد اس قدر پرامن ہوئی کہ یہاں سے کوئی گاڑی چوری کر کے یا قتل کر کے دوسری جانب پناہ نہیں لے سکتا تھا۔ سو سال میں پہلی دفعہ سروے آف پاکستان کی ٹیم نے ایک مستقل اور قابل احترام سرحد کی طرح اس پر برجیاں نصب کیں اور پیمائش کی۔ لیکن میڈیا نے پوری دنیا کو یہ باور کروا دیا کہ طالبان ظالم ترین حکمران ہیں۔ پھر ایک ویران، سہولیات اور جدید رسل رسائل سے عاری ملک پر یہ الزام عائد کیا گیا کہ 9/11 میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی ساری منصوبہ بندی وہاں سے کی گئی اور پھر طالبان سے افغان عوام کو نجات دلانے اور ان کے مفاد کے لئے بہترین کارروائی کرنے کے لئے امریکی افواج اس ملک میں داخل ہو گئیں۔ ہم اس وقت کس قدر خوش تھے۔ ہمارے حکمران خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے کہ اگر ہم امریکہ کا ساتھ نہ دیتے تو ہمارا تورا بورا بنا دیا جاتا۔ ہم نے اپنے افغان بھائیوں کے جسموں کے پرخچے اڑانے کے لئے پورا اہتمام کیا۔ پاکستان کے ہوائی اڈوں سے ستاون ہزار پروازیں اڑیں اور اس

مسلمان ملک کے معصوم عوام کا کچومر نکال کر اطمینان سے واپس آ گئیں۔ ہم نے ڈالروں سے اپنی تجوریاں بھریں، اچھل اچھل کر اقتصادی ترقی کی خبریں سنائیں۔ مستقبل کے عذاب سے بے خبر یہ حکمران اور ان کی تائید میں اپنے گھروں میں چین سے بیٹھے ٹیلی ویژن سکرینوں پر موت کے منظر دیکھتے یہ لوگ جن کی آٹھ سالہ مجرمانہ خاموشی نے اس خطے میں بے گناہ مسلمانوں کے خون کی بخوشی اجازت دی۔ اب کس قدر سہمے، ڈرے اور خوفزدہ لگ رہے ہیں۔ ہم تو گزشتہ کتنے عرصے سے اس مجرمانہ خاموشی کے جرم کے مرتکب ہیں۔ کیا کوئی ڈرون طیارہ کسی لاہور کی گنجان آبادی، کراچی کی معروف شاہراہ، فیصل آباد کی بستی یا حیدر آباد کے پکے قلعے پر میزائل برساتا۔ ہمارے سامنے ہمارے پیاروں کے جسموں کے چیتھڑے پڑے ہوتے تو ہم یا ہمارے حکمران اسی طرح خاموش ہوتے۔ ہمارا میڈیا اتنا ہی چپ ہوتا کہ بس ایک کارٹون نما ڈرون کی شکل دکھا کر اور ایک دومنٹ کی خبر نشر کر کے اپنے دوسرے کاروبار میں مگن ہو جاتا وہ کہ جن کی زمین تانبے کی طرح کھولتی رہی ان کے منہ سے ایک لفظ بھی اس پاکستان کی سلامتی کے خلاف نہ نکلا۔ لیکن اب تو اس طبل جنگ کے بجنے کا موسم قریب آ گیا ہے کہ جس سے سالوں پہلے تمام اہل نظر ڈرا رہے تھے، خبر کر رہے تھے۔ ایک طویل عرصہ تک پوری مغربی دنیا کو یہ یقین دلا دیا گیا کہ ہم ایک غیر ذمہ دار جوہری طاقت ہیں۔ پھر ہمیں فرنٹ لائن اتحادی کی لسٹ سے نکال کر ایک ایسی سرزمین کے طور پر پیش کیا گیا جو دہشت گردی کی نرسری ہے۔ جہاں القاعدہ منظم ہے۔ ممبئی حملوں سے لے کر اس ملک کے بڑے بڑے شہروں میں دہشت گردی کے واقعات رہنما کروائے گئے اور پھر اپنے گماشتوں کو زبانیں دی گئیں کہ آواز بلند کرو، بولو کہ ہمیں طالبان سے خطرہ ہے ہمیں دہشت گردی سے خطرہ ہے، یہ ہماری جنگ ہے اور جب مغرب کی زبان اور ہمارے حکمرانوں کی زبان ایک ہو گئی۔ مغرب کی بانسری پر رقص کرنے والے لیڈروں کے خوف ایک ساتھ میڈیا پر بلند ہوئے تو باراک اوباما کی گونج سنائی دی۔ "القاعدہ پاکستان میں بیٹھ کر امریکہ پر حملہ کی منصوبہ بندی کر رہی ہے۔" "ہم پاکستان کے عوام کو دہشت گردوں سے نجات دلائیں گے، ہماری کارروائی پاکستان کے عوام کے مفاد میں ہو گی۔ افغانستان میں نیٹو کو سپلائی عملاً بند ہو چکی ہے۔ تاجکستان اور ازبکستان کی جانب دیکھا جا رہا ہے لیکن خوف وہاں کے عوام سے ہے۔ میں نے ان دونوں ملکوں کے عوام میں امریکہ کے خلاف ایک عجیب غصہ دیکھا ہے۔ ایران کے چاہ بہار کے راستے کیلئے گفتگو جاری ہے۔ بھارت کا اس جنگ میں تعاون حاصل کیا جا رہا ہے۔ دنیا بھر کے صحافی اسلام آباد کے ہوٹلوں میں اس تھیٹر کے سجنے سے پہلے آ موجود ہوئے ہیں۔ لیکن نہ ہمارے حکمرانوں کو اس کا اندازہ ہے اور نہ امریکہ کو کہ اگر افغانستان اور پاکستان کو ایک سمجھ کر کارروائی کا آغاز ہوا تو پھر سب سے پہلے جو چیز ٹوٹے گی وہ ڈیورنڈ لائن ہو گی اور پھر یہ میدان جنگ دریائے ایموں سے لیکر برہم پتر تک پھیل جائے گا۔ خواہ بھارت اس کا ساتھ دے یا چاہ بہار سے ایران، قلاب ہے تاجکستان لیکن اس سرزمین پر لڑنے والے فرزانے اور دیوانے کلکتہ سے ہرات تک ایک ہوں گے۔ ایسے میں صرف دو صفیں ہوں گی امریکہ کے حق میں اور دوسری اس کے خلاف۔ پھر نہ کوئی یہ نعرہ سنے گا کہ سندھ کو طالبان سے بچاؤ نہ یہ کہ ہمیں دہشت گردوں سے خطرہ ہے۔ دنیا کے اس وسیع و عریض میدان جنگ میں بقا کی جنگ ہو گی۔ وہ اہل نظر جو دو سال پہلے اپنی خاموشیاں توڑ کر خبردار کرتے تھے کہ ایک جانب سے بھارت اور دوسری جانب سے امریکہ حملہ آور ہو گا، ان کی باتوں کا تمسخر اڑانے والوں، دنیا کے آرام و آسائش میں مست لوگوں کو اب یہ منظر کتنا صاف نظر آ رہا ہو گا۔ وہ اہل نظر تو یہ بھی خبر دیتے رہے کہ فتح اللہ کے فضل سے انہی دیوانوں اور فروزانوں کے مقدر میں ہو گی۔ صف بندیاں ہو گئیں۔ جنہوں نے دنیا کی آسائش، آرام اور مادی وسائل پر بھروسہ کرنا ہے وہ ایک جانب اور جنہوں نے عزت سے جینا، غیرت سے مرنا اور اللہ کے ہاں جزا کا طالب ہونا ہے وہ دوسری جانب دیکھئے کب طبل جنگ بجتا ہے اور کون کس کے ساتھ ہوتا ہے۔

بشکریہ روزنامہ ایکسپریس

نزولِ قرآن اور خواتین

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

بسم اللہ الرحمن الرحیم O ان المسلمین والمسلمات والمومنین والمومنت والقنتین والقنتت والصادقین والصدقت والصبرین والصبرت والخشین والخشعت والمتصدقین والمتصدقت والقایمین والصمت والعفظین فروجھم والحفظت والذکرین اللہ کثیرا والذکرت اعداللہ لھم مغفرۃ اجرا عظیما O (پارہ ۲۲ سورۃ الاحزاب رکوع ۲).

سورۃ الاحزاب کی یہ آیت کریمہ بائیسویں پارے کے شروع میں ہے اور اس کا شان نزول جو مفسرین کرام نے ارشاد فرمایا وہ ایک بڑا عجیب سوال ہے کہ خواتین نے بارگاہ نبوتؐ میں یہ سوال پیش کیا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ جب بھی قرآن حکیم نازل ہوتا ہے تو مردوں کے متعلق اس میں بات ہوتی ہے انہیں خطاب فرمایا جاتا ہے تو ہمارے لئے تو کوئی بات ہی نہیں کسی خطاب میں ہمیں اس کا سزاوار ہی نہیں سمجھا جاتا تو آپؐ نے فرمایا کہ قرآن حکیم اللہ کا کلام انسانوں کیلئے ہے اور انسان ہونے کی حیثیت سے خواتین یا مردوں میں کوئی فرق نہیں انسان تو دونوں ہیں۔ اس طرح ایمان، احکام، شرعی فرائض، ذمہ داریاں یا حقوق کے تعین میں اگر کچھ فرق ہے تو اس کی اختلافی صورت جو مرد اور خاتون میں ہے اس کی وجہ سے ہے مگر جہاں تک اس کی اہمیت ہے اس میں تو کوئی فرق نہیں۔ ایک خاتون کے جو حقوق ہیں وہ بھی انسانی حقوق ہیں اتنی ہی اہمیت رکھتے ہیں کسی مرد کی جتنی اہمیت رکھتے ہیں۔ کسی مرد کے فرائض بھی اتنی اہمیت رکھتے ہیں اللہ کے نزدیک کسی خاتون کے فرائض بھی اتنی ہی حیثیت اور اہمیت رکھتے ہیں جس طرح مرد مکلّف ہے اسی طرح خواتین مکلّف ہیں، جس طرح مردوں کیلئے حساب ہے اسی طرح خواتین کیلئے حساب ہے انہیں اللہ کے حضور جوابدہی دینی ہے۔ جس طرح مرد اجر پائیں گے یا اللہ معاف فرمائے جرائم پر سزا ہوگی اس طرح خواتین کیلئے بھی کوئی خاص علیحدہ اعلان نہیں فرمایا گیا بلکہ اس نظام میں نیکی کا بدلہ نیک اور گناہ کی سزا کا وہی ایک نظام ہے اس کی بارگاہ میں اسی روز جواب دینا ہے۔ اس کے باوجود رب جلیل نے اس آیت کریمہ میں جواب ارشاد فرما دیا۔

آپ یہ یاد رکھیے گا کہ جب قرآن حکیم نازل ہو رہا تھا اور اسلام کا اعلان فرمایا۔ نبی کریمؐ کی بعثت ہوئی اسلام کا اظہار ہوا تو اس پس منظر میں آج کی خواتین نہیں تھیں اس وقت روئے زمین پر خاتون کو انسانی درجہ دینے کیلئے کوئی قوم تیار نہیں تھی۔ یعنی اسے اتنا بھی نہیں سمجھا جاتا تھا کہ یہ انسانیت کا ایک جزو ہے۔ کھلی منڈیوں میں بیچنا، زندہ دفن کر دینا، خفا ہو جاتے تو نہ صرف گھر سے نکال دیتے بلکہ بیچ دیتے یا کسی نوکر یا خادم کو بخش دیتے جس طرح گھر میں ایک فرنیچر قالین یا دوسری کسی استعمال کی چیز کی حیثیت ہے خواتین کی حیثیت

اسی طرح تقریباً پورے معاشرے میں تھی۔

ہندوستان کی تہذیب کے متعلق سنتے چلے آرہے ہیں کہ آج بھی خاوند مرجائے تو بیوی کو اسکے ساتھ آگ میں جلا دو۔ عجیب بات ہے اس نے کیا قصور کیا؟ بیوی مرجائے تو خاوند کو کوئی تکلیف نہیں۔ خاوند مرجائے تو بیوی کو ساتھ جلادو۔ اسی طرح باقی جتنے معاشرے تھے ان میں بھی یہی حال تھا اور خود جزیرہ نمائے عرب میں تو دنیا بھر کی قباحتیں جمع ہوگئی تھیں حتیٰ کہ تمام مورخین یہ بات نقل فرماتے ہیں کہ اکثر و بیشتر آٹھ آٹھ' دس دس' بارہ بارہ' پندرہ پندرہ بیویاں روساء کی ہوتی تھیں جب وہ مرتے تھے تو جس طرح ان کا سونا' چاندی یا مال و زر یا جانور یا گھر مکان حویلیاں کمرے یا زمین باغ اولاد میں تقسیم ہوتے تھے اسی طرح باپ کی بیویاں بھی وہ بیٹے آپس میں بانٹ لیتے تھے انہیں جائیداد اور ترکے کا حصہ سمجھا جاتا تھا انسانیت کا حصہ نہیں اس قدر برا حال تھا کہ یہ جو بچیوں کو زندہ گاڑنے کی رسم چلی تھی اس کے پیچھے صرف شقاوتِ قلبی نہیں تھی کہ باپ بڑے سخت دل ہوتے تھے۔ اس لئے نہیں تھی بلکہ اس کے پیچھے اصل محرک یہ تھا کہ خاتون کو اس قدر رسوائیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا کہ بعض لوگوں نے کسی بیٹی کا باپ بننے کی بجائے بیٹی کو زندہ دفن کر دینا مناسب سمجھا۔ اس قدر تکلیف دہ ماحول تھا اور اس قدر مشکل زندگی تھی۔ اسلام نے سب سے پہلے یہ اعلان فرمایا کہ مرد و عورت دونوں اللہ کی مخلوق ہیں۔ دونوں برابر مکلّف ہیں' دونوں کے اپنے اپنے حقوق ہیں' دونوں کے اپنے اپنے فرائض ہیں۔ جس طرح جسمانی تخلیق میں فرق ہے' اس اعتبار سے ان کی ذمہ داریوں میں فرق ہے اسی اعتبار سے ان کے حقوق میں فرق ہے' لیکن جہاں تک حقوق اور ذمہ داریوں کی اہمیت کا تعلق ہے اس میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح آپ کے پاس بہت سے شعبے ہیں تو مختلف لوگوں کو آپ مختلف شعبوں پہ لگا دیتے ہیں ان کی استعداد کار دیکھ کر لیکن جہاں تک ذمہ داری کا تعلق ہے ایک دروازے پہ بیٹھنے والے چوکیدار سب سے اونچی کرسی پر بیٹھنے والے فرد تک وہ سارے ذمہ دار ہوتے ہیں فرائض میں فرق ہے۔ اسی طرح سارے اپنی اپنی تنخواہ پاتے ہیں اس کے کام کے اعتبار سے مدارج میں فرق ہے۔ یہی حال افراد انسانیت کا ہے۔

تو اللہ رب العزت نے مردوں کیلئے خواتین کیلئے حقوق اور فرائض کا تعین فرما کر دونوں کو برابر مکلّف قرار دے دیا۔ دونوں کو عبادت کی سعادت نصیب فرمائی' دونوں کو اپنے قرب کے ذرائع بتائے اور اس کی نوید سنائی اور سزا اور جزا کا اطلاق دونوں پر برابر کیا گیا تو اس سوال کا جواب رب کریم نے اس آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا کہ:

ان المسلمین والمسلمت ۔ کہ بے شک قبول کرنے والے مرد ہوں یا خواتین۔ آج ہم نے مسلمان کی یہ ڈیفینیشن بنالی ہے کہ جو کہہ دے میں مسلمان ہوں وہ اسلام میں داخل ہوگیا۔ یہاں اسلام اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ لفظ اسلام کا معنی ہے یا مسلم کا معنی ہے تسلیم کرنے والا۔ مان لینے والا مسلم کا ترجمہ مولانا تھانویؒ نے دیا ہے کہ اسلام کے کام کرنے والے یعنی مسلم کا مطلب ہے اطاعت شعار تسلیم کر کے عمل کرنے والا فرمایا تسلیم کرنے والے مرد ہوں یا اطاعت کرنے والی خواتین اسی طرح والمومنین والمومنات اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے ارشادات پر یقین کر لینے کو ایمان کہتے ہیں جو کچھ حضور ﷺ لائے اللہ پاک کی طرف سے کتاب' اللہ کی ذات کے بارے عقائد' اس کی صفات کے بارے عقائد' فرشتوں کی خبر' آخرت کی خبر' حیات بعد الموت' بعثت جنت و دوزخ' عذاب و ثواب' یہ جتنی باتیں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمائیں ان پر اس لئے یقین کر لینا کہ یہ اللہ کے رسولؐ نے خبر دی ہے اسے ایمان کہتے ہیں۔ فرمایا ایمان میں مرد اور خاتون برابر ہیں۔ مرد ایمان لائے یا خاتون ایمان لائے دونوں کو یہ کمال حاصل

ہوسکتا ہے لیکن یہاں آ کر ترتیب بدل دی گئی ہے ایمان کو اطاعت کے بعد ارشاد فرمایا۔

عموماً عمل کے ساتھ جو نسبت ہوتی ہے ایمان کو پورے قرآن حکیم میں ایمان اور اس کے بعد عمل امنو وعمل الصلحت ۔ پورا قرآن حکیم۔ عمل صالح اور ایمان کی نسبت ایسی ہے کہ ایمان لانے کے بعد عمل صالح کا حکم ہے اس لئے کہ عمل ہوتا ہی تب صالح ہے اس میں صلاحیت پیدا ہی تب ہوتی ہے جب اس کا محرک ایمان اور یقین ہو یعنی ایک کام ایک آدمی ایمان و یقین کے ساتھ کرتا ہے عبادت قرار پاتا ہے وہی کام وہی کرتا ہے لیکن وہ آدمی ایمان نہیں رکھتا وہ مومن نہیں ہے اسے اللہ پر یا آخرت پر یقین نہیں یہ کام عبادت نہیں بنتا مثلاً راستے میں کسی نے پانی کی سبیل لگا لی اب مومن نے لگوائی اور کافر نے لگوائی تو کام تو ایک جیسا ہے کافر پئیں گے لوگ سیراب ہوں گے لیکن کافر کا اللہ کے ساتھ ایمان نہیں ہے آخرت پر یقین نہیں ہے نبیؐ کی ذات پر ایمان نہیں ہے اس لئے اس کا صدقہ اور عبادت نہیں بنے گی جن چیزوں کو وہ مانتا ہے ان میں سے کسی کیلئے اس نے لگائی ہوگی یا کسی دنیوی غرض کیلئے یا شہرت کیلئے یا کسی کاروبار کیلئے اس کا سارا تعلق جو ہے دنیاوی امور سے ہے آخرت کو مانتا ہی نہیں۔ اللہ پر اس کا یقین ہی نہیں تو پھر وہ اطاعت کیسے کرے گا۔ حالانکہ کام تو وہی تھا جسے ایمان نصیب ہے وہ کام کرے گا تو اس میں عظمت الٰہی آخرت کے ثواب عذاب سے نجات کا کوئی پہلو اور خیر کا کوئی پہلو اس میں ہوگا اس لئے وہی کام ایمان کیساتھ عبادت قرار پا جائے گا۔ اس لئے عمل صالح کو ایمان کے بعد ذکر فرمایا امنو وعمل الصلحت ۔ عمل میں صلاحیت کی شرط ایمان ہے مگر ایمان کی بنیاد اطاعت پر ہے بڑی عجیب بات ہے کہ کوئی شخص جو تابعداری اور اطاعت نہیں کرنا چاہتا وہ یقین کی دولت سے بھی محروم رہتا ہے۔ اگر ساری زندگی اس کی یہ خواہش ہو کہ میں جو چاہوں کروں مجھ پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہ آئے۔ مجھے نبی کریمؐ کے احکام کا پابند ہونے کی ضرورت نہیں جو جی میں آئے کرتا رہوں، تو یہ وہ حالت ہے کہ اس حالت میں کبھی یقین میں پختگی پیدا ہوتی ہی نہیں یعنی ایمان کامل نہیں ہوتا اس لئے یہاں تسلیم کرنے کو اور اسلام کو ایمان سے مقدم ذکر فرمادیا۔ جب یہ طلب دل میں آ جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کروں پھر وہ کر سکے یا نہ کر سکے یہ طلب اس کے یقین میں قوت پیدا کر دیتی ہے ایمان میں اور ایمان کی قوت توفیق عمل ارزاں کر دیتی ہے اس لئے یہاں اس جذبہ تسلیم کو ایمان پر مقدم ارشاد فرمایا اور اس میں مرد ہو یا خاتون برابر ہیں۔

ایمان جب اپنی قوت سے اپنی حیثیت سے نصیب ہوتا ہے تو وہ پابند بنا دیتا ہے۔ ان نظریات کا جن پر ایمان ہے ارشاد فرمایا ایسے مرد جو کوشش کر کے، محنت کر کے، ہمت کر کے اللہ کی اطاعت پر جم جائیں اور نافرمانی سے بچیں یہی درجہ خواتین کو بھی حاصل ہوسکتا ہے جس طرح اسلام میں مرد کو حیثیت حاصل ہے عورت بھی اسلام میں وہ مقام پا سکتی ہے۔ ایمان جس طرح مرد کو نصیب ہوتا ہے اسی طرح خاتون کو نصیب ہوسکتا ہے جس طرح مرد کے ایمان پر اطاعت کا پھل لگتا ہے اسی طرح خاتون کے یقین پر اطاعت کا پھل لگتا ہے۔

والصدقین والصدقت ۔ اور اطاعت الٰہی راست بازی عطا کر دیتی ہے۔ آدمی کھرا ہو جاتا ہے یعنی جب اس نے عمل ہی وہ کرنا ہے جس کا حکم اسے اللہ کی طرف سے ہے جس کی اجازت رسول اللہ ﷺ نے نہیں دی وہ کرنا ہی نہیں ہے تو پھر اسے کسی ہیرا پھیری کی ضرورت نہیں ہے۔ راست بازی آ جاتی ہے اس کے قول میں بھی اس کے فعل میں بھی اس کے کردار میں بھی اس کے بول چال میں بھی اس کے تعلقات میں بھی۔ فرمایا اس منزل پر جس طرح صادقین مرد ہوسکتے ہیں اس طرح صادقات خواتین کے بھی ہوسکتی ہیں اور راست بازی سے آگے جو درجہ نصیب ہوتا ہے وہ ہے۔

والصبرین والصبرت ۔ پھر ایک قوت نصیب ہو جاتی ہے جو گناہ سے اور نافرمانی سے روک دیتی ہے جس طرح آپ کسی گھوڑے کی باگ کھینچ لیتے ہیں کسی چلنے والی چیز کو بلا ارادہ یا کوشش سے روکتے ہیں یا گاڑی کی آپ فل بریک دبا دیتے ہیں جیسے وہ رک جاتی ہے اسے صبر کہتے ہیں یعنی کسی بھی چیز کو جدھر وہ جا رہی ہے وہاں سے بلا ارادہ یا ہمت سے یا اسے مجبور کر کے روک دیا جائے۔ یہ لغوی معنی ہے صبر کا اور شریعت میں اصطلاح شریعت میں صبر کہتے ہیں گناہ سے رک جانے کو۔ ہم نے عام مفہوم میں یہ لے لیا ہے کہ کوئی نقصان ہو جائے شور نہ کرو۔ تو یہ صبر ہے۔ یہ ایک پہلو ہے صبر کا کہ جزع فزع نہ کرے شکایت نہ کرے۔ قوت برداشت پیدا کرے۔ صبر کا حقیقی معنی یہ ہے کہ خطا سے نافرمانی سے' گناہ سے اس طرح رک جائے جس طرح کوئی باگ کھینچ کر جانور کو روک لیتا ہے اس طرح اپنے آپ کو اپنے نفس کو اپنی خواہشات کو اس طرح سے روک سکے اور فرمایا یہ راستہ باز لوگ مرد ہوں یا خواتین پھر ان کو یہ قوت نصیب ہو جاتی ہے اکیلے مردوں کیلئے نہیں۔ جب یہ درجہ نصیب ہو جائے تو پھر دل کی کیفیت بدلتی ہے۔

اسے کہتے ہیں خشوع تو اسے ایک حضور سا حاصل ہو جاتا ہے جب اس قدر نافرمانی سے رک جائے تو اللہ کریم اسے محروم نہیں فرماتے اگرچہ ہر جگہ موجود ہے لیکن انسان کو احساس نہیں ہوتا جسے یہ نعمت صبر نصیب ہو جائے اسے پھر یہ احساس ہونا شروع ہو جاتا ہے کہ میرا مالک میرے پاس موجود ہے میں اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں تو جو کام اس کیفیت سے کیا جائے کہ اللہ کریم مجھے دیکھ رہے ہیں یا میں اللہ کریم کے روبرو یہ کام کر رہا ہوں اس میں جو کیفیت ہوگی عظمت الٰہی کی' احترام الٰہی کی' محبت الٰہی کی' وہ جو حالت دل میں ہوگی' کام کرتے ہوئے جس طرح کوئی ملازم کسی مالک کے سامنے اس کے میز کی صفائی کرتا ہے اس کے سامنے ناشتہ لا کر رکھتا ہے اس گھر میں وہ سارا دن کام کرتا رہتا ہے مالک نہیں ہوتا تو بھی بڑی احتیاط سے کام کرتا ہے کرسی کو جھاڑتا ہے' فرش کو صاف کرتا ہے' برتنوں کو دھوتا ہے' توڑنے کیلئے تو نہیں کرتا احتیاط تو وہ کرتا ہے لیکن اگر مالک سامنے بیٹھا ہوا ور پھر وہ کام کر رہا ہو تو اس کے دل میں بھی ایک حال ہوتا ہے ویسے صرف اعضاء پر مالک کی حکومت ہوتی ہے کہ یہ کام مالک کیلئے کرنا ہے۔ نہیں کروں گا تو خفا ہوگا لیکن جب وہ پاس بیٹھا ہو تو اس کے دل میں بھی ایک حالت ہوتی ہے اور وہ مالک کو خوش دیکھتا ہے تو اسے تنخواہ کے علاوہ ایک مسرت نصیب ہو رہی ہوتی ہے جس کا کوئی پیمانہ نہیں۔ خشوع اس کیفیت کو کہتے ہیں جب بندے کو حضور الٰہی حاصل ہو جائے اور محض ادھوری مزدوری نہ کر رہا ہو' بلکہ اللہ کریم کے روبرو کام کر رہا ہو تو اجر و ثواب تو الگ اپنی جگہ پر ہے یہ حضوری کی جو کیفیت یا جو لذت ہے یہ اپنا الگ مقام رکھتی ہے تو فرمایا یہ مقام والخشعین والخشعت جس طرح مردوں کیلئے ہے اسی طرح خواتین کیلئے ہے۔ خشوع حاصل کرنے والے مرد خشوع حاصل کرنے والی خواتین۔ جب آدمی کو یہ درجہ نصیب ہوتا ہے تو پھر اس میں استغنیٰ پیدا ہو جاتا ہے۔ آپ کسی مالک کے دو ملازموں کو دیکھیں' ایک سے وہ چوکیداری کا یا باہر کا یا صحن کا کام لیتا ہے ایک کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ گاڑی میں بٹھائے تو وہ ساتھ ہے سفر پر جا رہا ہے تو وہ ساتھ ہے۔ دوست سے ملنے گیا وہ ساتھ ہے۔ گھر میں آیا وہ ساتھ ہے۔ جوتا پکڑا ہوا' ٹوپی لے لو' یہ کر دو وہ کرو۔ دونوں کی حالت کو آپ دیکھیں آپ کو یقیناً ایک واضح فرق نظر آئے گا کہ وہ جو باہر کی ڈیوٹی پر ہے وہ گری پڑی چیزیں بھی اٹھا لے گا بچے ہوئے روٹی کے ٹکڑے بھی اٹھا لے گا۔ کوئی کپڑا پرانا مل جائے جو چیز اسے ملے گی وہ لے لے گا اس کی کوشش ہوگی جو مل سکے اپنے لئے پیدا کرے یہ جو ہر وقت کی حضوری کا ہے اسے جو ملے گا کسی نہ کسی کو دیتا جائے گا اسے میں کیا کروں گا میرے پاس تو مالک ہے

اس پرانے جوتے کو اٹھا کر کیا کروں گا۔ مجھے چاہئے ہوگا تو پھر مل جائے گا۔ یہ دونوں حالتوں میں فرق ہو جاتا ہے۔ ملازم دونوں ایک ہی کے ہے اگر وہ مہربان ہے تو دونوں کے ساتھ ہے تنخواہ دونوں کو دیتا ہے لیکن جو اس کے برتاؤ اور اس کے قرب اور اس سے دوری کی وجہ سے سوچ میں ایک بنیادی فرق آ جاتا ہے وہ دور رہنے والا ہے وہ بمشکل اگر کوئی چیز اسے ملے گی تو وہ بمشکل اپنے لئے جمع کرے گا۔ اپنے گھر کیلئے یہ جو ساتھ رہنے والا ہے اسے فکر ہی نہیں ہوگی مجھے کیا فکر ہے گھر میں نہیں ہوگا تو پھر مالک ساتھ ہے خود دیکھ رہا ہے۔ آج ان کے گھر میں کھانا نہیں ہے بھجوا دے گا۔ اسے کسی نے نہیں دیکھنا اسے پتہ ہے لے کر جاؤں گا تو کھاؤں گا۔

یہی حال خشوع کے بعد انسان کا اللہ کے ساتھ ہو جاتا ہے اگر خشوع نصیب نہ ہو تو ساری زندگی عبادت بھی کسی لالچ کے بغیر نہیں ہوتی کہ نماز پڑھیں تو یہ فائدہ ہوگا اور یہ نصیب ہو جائے تو جو کچھ پاس ہو وہ بھی لٹانے کو دل کرتا ہے کہ کون سی کمی ہے ہمیں تو مل ہی رہا ہے اور کسی کو بھی دو۔ اسے کہتے ہیں المتصدقین والمتصدقت۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ عام طور پر لوگ اس قدر فیاض نہیں ہوتے۔ دس دس سال ایک طالب علم کو پڑھاتے رہتے ہیں اس کے باوجود بعض چیزیں بتانے سے گریز کرتے ہیں۔ جو کچھ میں جانتا ہوں یہ بھی جان لے گا تو میرے برابر ہو جائے گا۔

نیروبی میں ایک مولانا صاحب بتا رہے تھے کہ میں نے ایک دوست سے کہا جس کے پاس بچے پڑھنے آتے تھے کہ آپ کے پاس بڑا وقت ہے آپ ان پر محنت کریں کہ یہ اس قابل ہو جائیں کہ یہاں لوگوں کو کچھ بتا سکیں۔ کچھ سمجھا سکیں۔ وہ کہنے لگا کہ اگر یہ اس قابل ہو گئے تو پھر ہمیں تنخواہ کون دے گا جیسے چل رہے ہیں انہیں ویسے رہنے دو۔ یہ سوچ ہے ایسے آدمی کی ہے جو مسجد میں بیٹھا ہوا دین پڑھا رہا ہے قرآن پڑھا رہا ہے ترجمہ پڑھا رہا ہے پھر بھی وہ سوچ رہا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ میری ضرورت ہی نہ رہے۔

لیکن اگر یہی شخص صاحب حال ہوتا تو جو کچھ اس کے سینے میں تھا وہ کوشش کرتا کہ وہ سارے کا سارا ان کے سینے میں منتقل کر دے یعنی آپ کسی صوفی کو اس حال میں نہیں پائیں گے کہ اسے جو سمجھ ہے وہ کسی شاگرد کو یا کسی دوسرے کو منتقل نہ کرے بلکہ اس کی طلب یہ ہوگی کہ جتنا زیادہ سے زیادہ لے لے اس لئے کہ اسے حضوری حاصل ہوتی ہے اور یہ جو باہر کا ملازم ہے اس کی اپنی ہوس ختم نہیں ہوتی اور اسے ہوس کی ضرورت نہیں ہے تو اس خشوع سے یہ جذبہ تصدق کرنے کا، لٹانے کا بے غرضی کا اور مخلوق سے بے نیازی کا پیدا ہو جاتا ہے۔ کچھ دینے کو جی چاہتا ہے کچھ لینے کی بات نہیں ہوتی لینے کیلئے جب اللہ کی بارگاہ موجود ہے تو پھر کیا ضرورت اسے کسی کی۔ فرمایا یہ اتنا بلند مقام صرف مرد کیلئے نہیں ہے مردوں کیلئے بھی ہے خواتین کیلئے بھی ہے۔

والصائمین والصئمت۔ صوم اصطلاح شریعت میں روزہ رکھنے کو کہتے ہیں لیکن روزے کی تشریح نبی کریم ﷺ نے فرمائی وہ آنکھ کا، کان کا، زبان کا، دماغ کا، دل کا، اعضاء و جوارح کا روزہ مراد ہوتا ہے یعنی کوئی عضو بدن نافرمانی کی طرف نہ بڑھے۔ تشنگی برداشت کرے جیسے روزے میں پیاس لگتی ہے تو افطار تک پانی نہیں پیتا بھوک لگتی ہے تو افطار تک کھانا نہیں کھاتا۔ اسی طرح جائز وسائل سے نہ مل سکے تو ناجائز وسائل سے موٹا لباس پہننے کی بجائے سردی برداشت کرلے یا پیٹ بھرنے کیلئے جائز وسائل سے نہیں ملا تو حرام کھانے کی بجائے بھوک برداشت کرے۔ یہ سارا اس صوم میں آئے گا کہ اطاعت کو نہ چھوڑے اس پر مشقت برداشت کرلے فرمایا یہ مقام مرد کیلئے بھی خاتون کیلئے بھی ہے۔

والحفظین فروجھم والحفظت۔ اپنے حیا کی حفاظت۔ تب جا کر یہ جرأت پیدا ہوتی ہے کہ آدمی کو اللہ کی طرف سے یہ قوت عطا

ہو جائے کہ اپنے حیاء کی حفاظت کر سکے۔ فرمایا یہ مردوں کیلئے بھی ہے خواتین کیلئے بھی ہے اور یہ سب تسلیم جڑ ہے' ایمان تنا ہے 'اطاعت و فرمانبرداری اس کے پتے پھول اور کلیاں ہیں۔ خشوع اس کے پھول اور یہ تصدق اس کی کلیاں ہیں۔ اگر تو اس سب کے بعد اس پر ایک پھل بھی لگتا ہے درخت کو آپ لے لیں تو جڑ ہے تنا ہے پتے ہیں شاخیں ہیں غنچے ہیں' پھول ہیں اس سب کے بعد ایک پل بھی لگتا ہے اور پھل ہی وہ سارا درخت ہوتا ہے یعنی اسی پھل میں یہ خصوصیت ہوتی ہے کہ اس چھوٹے سے دانے میں بے شمار مٹھاس لٹانے کے بعد جو گٹھلی نکلتی ہے اس میں وہ پورا درخت بھی بند ہوتا ہے جس درخت کا وہ پھل ہوتا ہے سارا اسی میں ہوتا ہے۔ پھر وہ گٹھلی دبا دیں تو پھر ایک پورا درخت کھڑا ہو جاتا ہے۔ فرمایا ان تمام نعمتوں پر جو پھل لگتا ہے وہ ذکر الٰہی ہے اور فرمایا والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات۔ کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد' کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی خواتین کو اس نعمت سے بھی محروم نہیں رکھا جو سب سے آخری سب سے بلند مقام ہے۔ وہ مردوں کیلئے' خواتین کیلئے بھی ہے اور یہ سارے مدارج قرب الٰہی کے اور ولدیت کے ہیں بعد از نبوت۔

حتیٰ کہ نبوت کے بعد اعلیٰ ترین مقام صحابیت ہے صحابیت مردوں کو بھی نصیب ہوئی خواتین کو بھی نصیب ہوئی۔ اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیما اگر یہ نعمتیں کسی کو نصیب ہو جائیں تو بحیثیت انسان اس سے خطا ہو جائے تو اللہ کی بخشش کافی ہے اور اسے عطا کرنے کیلئے اللہ کی نعمتوں کا کوئی شمار ہی نہیں ہے اجر عظیم موجود ہے۔

تو اس آیت کریمہ نے سب سے پہلے پوری انسانیت میں اس ضابطے کی بنیاد رکھی کہ خاتون بھی انسان ہے اس کے انسانی حقوق ہیں' اس کے فرائض اور ذمہ داریاں ہیں اور آج بھی انسان جب انسانی تہذیب کی ترقی پہ ناز کرتا ہے تو یہ ترقی کرتے کرتے پھر اس مقام پر آ پہنچا ہے کہ خاتون کو ایک فرد بنا دیا گیا ہے۔ اس کی عظمت جو بحیثیت خاتون کے تھی وہ ختم کر دی گئی۔ اسے احترام' جو عظمت' خصوصیت اسلام نے عطا کی تھی بحیثیت ماں کے' بحیثیت بیٹی کے' وہ اس سے چھین لی گئی۔ اسے محض ایک کولہو کا بیل بنا دیا گیا اور فطری طور پر جو ذمہ داریاں رب کریم نے تقسیم کر کے خاتون کے ذمہ کر دی تھیں وہ تو اس سے اب کوئی بانٹ نہیں سکتا مردوں نے اپنے حصے کا بوجھ اس پر لاد دیا اور اسے یہ دھوکا دیا کہ یہ مساوات ہے۔ مساوات تو تب تھی کہ اس کی جو ذمہ داریاں ہیں اس میں سے کوئی حصہ بٹا لیتا۔ اپنے حصے کا بوجھ خاتون پر لاد کر خوش کر دیا کہ یہ مساوات ہے اور رسوائی میں یہاں تک لے گئی یہ موجودہ تہذیب کہ ماچس کی ڈبیا بیچنی ہو تو اس پر کسی خاتون کا فوٹو کھینچتے ہیں یعنی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز ٹکے کی چیز بھی بیچنی ہو تو کسی خاتون کا فوٹو چھاپ کر اسے بیچیں گے۔ پھر اسے اشتہار بنا دیا اور اس سارے کو جدید تہذیب کہتی ہے کہ یہ مساوات ہے! اور یہ عقل کی اندھی عورتیں کہتی ہیں کہ ہمیں وہ درجہ چاہیئے جو یہ تہذیب دے رہی ہے۔

اور وہ مقام عالی' وہ عزت' وہ وقار اور حقیقی مقام مرتبت نہ ظہور اسلام سے پہلے اور نہ ظہور اسلام کے بعد کسی تہذیب نے دیا۔

رب جلیل نے اس آیت کریمہ میں یہ تفصیل ارشاد فرما دی کہ خواتین انسانیت کا حصہ ہیں۔ جس طرح مرد پر فرائض ہیں اس کی اپنی ذمہ داریاں ہیں' اسی طرح خواتین کی اپنی ذمہ داریاں ہیں۔ جس طرح مرد کے حقوق ہیں' اسی طرح خواتین کے حقوق ہیں ہمارے معاشرے میں اسلام کے نام پر بہتر استحصال ہوتا ہے۔ مرد کے حقوق کو تو بڑا اچھالا جاتا ہے لیکن یہ نہیں بتایا جاتا کہ اس کے ساتھ خواتین کے حقوق مرد پر بھی ہیں۔ ایک طرف تو بڑا زور لگایا جاتا ہے دوسری طرف کوئی نہیں پوچھتا۔ اللہ کریم توفیق اطاعت نصیب فرمائیں۔ قرآن حکیم کو سمجھنے کی اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔☆

the world, kings of the time and aesthete of the globe, where did that asset go away, and what became of it?

O brothers! You don't know of my condition and I don't know the state of your hearts. I am saying this with my tongue, but only Allah knows what is inside my heart. What you do and what is inside your heart, Allah knows it as well. But Allah is Absolutely Independent for we have seen it with those before us and those with Hadhrat-RUA, who did Zikr for years but were finally rejected and died on Kufr. Many people with us who had put in great efforts (in this regard) and even possessed spiritual visions, finally came to deny Allah. You may also have seen many who spent years but ultimately were thrown out in rejection. Why does this happen? If a person works for an hour, he is paid his dues; he is not just thrown out; then why does an endeavour of a lifetime get rejected. It is not Allah Who rejects; He is too Kind, but it is ourselves who keep building the edifice of our relationship on a fragile foundation, and it collapses under the slightest of pressures. We only fulfil customs and formalities and even try to hunt for worldly benefits, and remain unmindful of the real states. We consider it as a means of making the world by becoming a Shaikh or a Scholar, wherein people would come and give us alms and donation, and hence lot of money out of little pain. Why do such thoughts occur? It is because those pangs of love are missing, thus turning the whole affair into a worldly ritual only. That pain of love is absent. Try to analyse yourself. One thing is for sure; the only way forward is with that feeling (of love) and by giving away. But we have nothing to offer! The only alternative could be to wake up while others are fast asleep, to seek the opportunity to prostrate (before Allah) whilst others are rushing around and to try and save ourselves from the unlawful when others are accumulating it. This realization, this feeling should develop in one's heart that the relation with Allah and the Holy Prophet-SAWS should never deteriorate. If this feeling is missing then it shall be a sheer worldly tradition of coming there and going back, making no difference what so ever. In the normal routine of life we have seen that people join various political parties and then swap places. While this may be the norm there, it is not applicable to the realm of love, desire and longing. Therefore my brothers! Talk to your own self; question your self and look for the answer within yourself. It is my desire as well as a prayer and a suggestion that be straight with your Allah and the Holy prophet-SAWS and leave no doubts, confusion or deceit in that (relation). Leave no veil in between; open your heart before them and it is for them to grant whatever they want. Indeed Allah bestows more than a person's capacity and no one is left deprived in HIS Court. It is a Court where a frayed begging bowl is repaired, enlarged and filled. The only thing to keep in mind is to try and develop an ever increasing pain, feeling and desire (of love and longing for Allah). We should live in and die with this longing alone. May Allah forgive us our sins that we may have committed consciously or unconsciously and may HE grant us those pangs of heart, HIS love and that of HIS Beloved-SAWS and indeed HE is Merciful and nothing is beyond HIS Mercy.

of the Holy Prophet-SAWS after the vast stretch of fourteen centuries, if we treat all this turns as a sheer ritual then we are indeed naïve: those travelling for the Zikr (towards Dar ul-Irfan) make so many undue stops on their way for petty requirements such as having tea, food or even prayer (for that matter), with the result they miss out on both of the Zikr sessions. Arriving late, they yet look for the dinner. What do you come here for? Why undertake the trouble to travel all the way here if you won't get a proper bed for the over night stay? One could have felt better at home if comfort is the priority. But if one must come here they must reach before the evening prayer. Why waste the opportunity of Zikr? Do we not fill this stomach every day? Do we not rest our bodies every day? A day's endeavour should not be a big deal. If this is the case of the Zakirin what chance do non-Zakirin stand? Such is the state of those whom we consider as the Aulia Allah that they prefer their physical needs, comforts and desires over Zikr. A few of the participants have demanded an extra morning session of Zikr in addition to the evening and early Tahajjad Zikr sessions, since they could not arrive earlier due to their commitments. This (extra) session of the Zikr that we do on account of the wish or command, what ever you may like to call that, but the fact of the matter is that even then those people can't make it. Now how do we find out what kind of desire a heart carries and what mystery is this love, and where to look for it?

Majnoon was kissing the feet of a dog when some one asked him: "What are you doing? there's limit even to craziness". Majnoon replied: "I have seen this dog go through the street of Leila some time!" The following anecdote was related by Maulana Thanvi-RUA. He said, "I have heard it from some one but I have not read it in any book: when Hadhrat Ameer Muawiyah-RAU and Hadhrat Hassan-RAU patched up, the latter handed over Khilafat to Hadhrat Ameer Muawiyah-RAU and set off to visit the Haram and to perform Umrah. Qais, who was a close friend of Hadhrat Hassan-RAU went along with him. During their journey, Hadhrat Hassan-RAU talked about his decision of giving the Khilafat to his Uncle Ameer Muawiyah-RAU and how it accounted for saving the Muslim Ummah from discord. Qais replied: "what are you talking brother Hassan? The Khilafat suits neither of you. You both had been raising the issue for nothing". Hadhrat Hassan-RAU got surprised because there had been no other claimant of Khilafat and in amazement he asked Qais: "then to whom does it suit?" Qais replied: "it suits Leila!" Hadhrat Hassan exclaimed: "your are a Majnoon (lunatic)!" And for this very reason Qais became famous with the title of Majnoon: the lunatic. Hadhrat Hassan-RAU called him a Majnoon because Leila had nothing to do with the affairs of the government yet Qais found her worthy of it. That was the state of a person being who had fallen in love with another human being. What should be the state of that person who falls in love with **Allah**? If Allah accepts, then even a single recitation is enough for redemption. It is the saying of the Holy Prophet-SAWS that even if a single recitation or sheer utterance of Allah-o Akbar, O Allah or Subhan Allah which are all Tasbeeh (praise to Allah), earns acceptance with **Allah**, it is enough for the redemption (but) I am not talking about redemption. I am talking about something beyond it. Where are those pangs of love, granted to us by the Holy Prophet-SAWS? Where is that treasure which was entrusted to us that kept us elevated; ruling, adorning, setting and beautifying the world; it accounted for us to be rulers of

for the sake of combating oppression and destruction, and for replacing the darkness of ignorance with light. But it is indeed not Jihad to bomb places of worship and to open fire on innocent people in public. It is not Jihad but blatant blood shedding, a quality synonymous with the ignorant and oppressors of every time like Changez Khan as well as every tyrant of every age. This (quality) was found in Hitler, the British, and the Americans, and is true of them even today. Why was Hiroshima atom bombed despite Japan's surrender? Why was Nagasaki bombed? Just for the sake of experiment to see the effect! Millions of people lost their lives and cities were turned into ruins. This was a wanton desire to destroy! But when the love of Allah arises and the love of Holy Prophet-SAWS evokes, it inspires (one) to sacrifice one's life for the truth rather than taking away lives and killing for no reason. Then people come out for Ehqaaq-e Haqq (establishment of Truth). It is then when they kill and get killed. *Those who execute Jihad in **Allah**'s way, kill as well as get killed.* (9:111). But that act is according to the Command and will of Allah and HIS Prophet-SAWS and not out of their personal instincts.

In one of the Jihads Hadhrat Khalid -RAU raised his sword (against his opponent) who (in turn) recited the Kalimah yet Hadhrat Khalid's sword went across him and killed him. Muslims won the battle and on return presented the incident before the Holy Prophet-SAWS that the person had recited the Kalimah but Hadhrat Khalid-RAU didn't stop. The Holy Prophet-SAWS asked for the reason and Hadhrat Khalid-RAU replied that he (the vanquished) had only done so because of the fear of the sword and not by his heart. The Holy Prophet-SAWS said: "Did u rip open his heart (to see that); how did you know that he was just reciting it ostensibly? Once he had recited the Kalimah you should have stopped." The Holy Prophet-SAWS didn't approve of it and said that it was wrong and exceeding the limits. It was not necessary to take a life for no reason. Once he had recited the Kalimah regardless of that being superficial or by heart, he (Hadhrat Khalid-RAU) should have refrained.

It was ordered (by the Holy Prophet-SAWS) in every Jihad, not to raise sword against anyone who does not raise his sword in the first place. Crops shall not be destroyed and trees shall not be cut. People in the places of worship shall not be disturbed, even if they were worshipping idols. Today, those in prostration before Allah are being fired upon. What is the meaning of this? Now, it has become customary to swear at the west and blame the US. Leave the US alone! It is not a Muslim state, (although) Muslims are also living there, by **Allah**'s Grace, but the over all system or the state is not Islamic. They have their own religion in the West. We should talk about ourselves; what are those who proclaim the Kalimah doing here? From every city comes the news of blasts, every city is a killing ground, dead bodies can be found in every city and street, children and other family members are being abducted and there is looting every where, what is all that? It is the same harassment that was prevalent before the advent of the Holy Prophet-SAWS. Love was endowed by the Holy Prophet-SAWS. Once people got farther away from there, the same disease returned. The medicine was given by the Holy Prophet-SAWS and that was the medicine of love: he-saws joined your hearts with love. Your hearts were filled with love; once the link to the Holy Prophet-SAWS was lost, so were gone the feelings of love. Every person became enemy of the other; "Every body is here to kill every body," this was the reply to a journalist's question to an officer on the battlefield of the World War. Every one present there was up to killing the other. The officer had surely put it in a nutshell.

Is the same situation not true of us today? Why? It is because those emotions of love are escaping from our hearts. The Kalimah alone was enough for filling the heart with that emotion. Yet, despite the opportunity to worship, recitation and the distinction of receiving the blessings

HIM and to express one's longing and desire before HIM is a different state. The requirement of Faith is that this should be the condition of every Muslim. The one and the only way to develop this desire is through the blessings of the Holy Prophet-SAWS.

The Prophetic teachings tell about Allah, HIS Self and Attributes, (whilst) the blessings of the Prophet-SAWS developed a longing for Allah in the heart and kindled a fire of love. The blessings of the Holy Prophet-SAWS fuelled the desire of union, and a handful of dust (human being) lit the candle of the love for Allah: a dependant, humble soul up in front of a Being that has no parable! Yet to a degree, he carries that desire of union for which he remains restless and cries for HIM; wants to meet HIM and be there in front of HIM and this, in fact, is the distinction of the Faith. Humans are strange in that even during the time of the Holy Prophet-SAWS there were those who remained devoid of these blessings. As time passed, the states and feelings of passion kept changing; love was long lost, traditions and rituals took its place and various means of fulfilling formalities took shape. The world has once again fallen into the quagmire of misguidance. Now, answer a question with due comprehension and understanding: have all those deprived of the Deen of Allah, not returned to the same age of ignorance out of which the Holy Prophet-SAWS had recovered them from their animal life and restored them to their original humans status? What was the life of those people with no sense of dress and no principle of relations of friendship or animosity? The stronger oppressed the weaker, the nobles used to let predators loose on the poor for the sake of entertainment and felt happy in killing and shedding blood. Is today's picture not the same? Who had turned wild animals back into humans and why humans are turning back into wild animals? Leave the infidels alone; even over here the places of worship are not safe from those who claim to be the people of the Kalimah. Mosques are being bombed, markets are being sniped and no one knows whom have they killed and why! School bus is bombed without realising whose kids are being blown up and why. There is no reason but there is just the wanton instinct to kill; a wild, ferocious behaviour! Just the other day I was watching (a television programme on) wildlife, in which the rapacious behaviour of predators was being explained. A wounded limping lioness was shown. It fell at one point whilst another big lion instantly grabbed it by neck and killed it. The commentator explained that he wasn't going to eat the lioness, but since he saw a wounded animal, his desire to kill surfaced and he killed her without any need. She wasn't his food and moreover she belonged to the same species. But he had a killing instinct, a desire to kill others. That is the basis of his life. Has this killing instinct not found its way to humans now, who kill and enjoy watching the dying bodies?

Such was the state of people when the Holy Prophet-SAWS came. The same killing instinct was prevalent. Humans had the urge to kill, and the earth was a killing ground. Every oppressor was tearing the weak apart. The blessings of the Holy Prophet-SAWS filled their hearts with love and turned them into brothers, who began to sacrifice for each other. Why has the same instinct to kill and shed blood risen up again today? It is because people have become distant from the fountainhead of love (the Holy Prophet-SAWS), and the violent urges (of the age of ignorance) have resurfaced. In the current age the code of dressing, means of commute have all changed but the underling objective remains the same; the manner of killing has also changed (over the period of time) but the basic instinct of killing and enjoy watching writhing bodies is the same. Whoever forsakes (the door of) the Holy Prophet-SAWS, he may happen to be the so-called Muslim, develops the malicious impulse of violence and murder. Those who do Jihad for the sake of **Allah**'s religion and for their rights are distinct. They're not oppressors but they sacrifice their own lives. Jihad is distinct from carnage. I am not referring to Mujahidin. Jihad has been made obligatory since the office of the Prophet-SAWS and shall remain obligatory till the Day of Judgement. Jihad is

yet kept repeating. 'What YOU have said is true!' Therefore, it is the feeling called love that is acceptable in HIS Presence. Faith is the name of this love when it develops for **Allah** and HIS Prophet-SAWS. The Holy Prophet-SAWS has said that a person may develop the love for Allah by developing love for those who mention about Allah in a manner that is akin to seeing Allah.

There have been thinkers, researchers, scholars as well as philosophers, but no one knew during the Fatrat (Intermission: temporary suspension of deputation of Prophets, the period spanning approximately 570 years, between Prophet Jesus-AS and the holy Prophet Muhammad-SAWS) that **Allah** exists, where is HE and what is HE. But the Holy Prophet-SAWS described this in a manner that even an illiterate herdsman, who has recited the Kalimah, knows for sure that Allah exists; HE is near him, watching and listening to him. Such is (the degree of) the cognisance granted by the Holy Prophet-SAWS that even an illiterate person of this deteriorated time, who has declared the Kalimah, knows that Allah exists; HE is sustaining him, and to HIM is his return. Hence the proof of Faith is developing immense love for Allah. The Holy Prophet-saws has said: "No one amongst you can be a believer unless he loves me more than his parents, siblings, offspring and all the human beings on earth". One cannot be a believer otherwise. The love of the Holy Prophet-SAWS is the conduit of the love towards Allah. As for the love of the Holy Prophet-SAWS, anyone and everyone who recognised him-SAWS got absorbed in his-SAWS love. What else shall a person achieve if has not achieved that recognition?

During the time of the Holy Prophet-SAWS some people remained devoid of the Faith and this saddened him because he-SAWS was sent for the (guidance of) entire mankind and he felt for the deprivation of these people. Allah Kareem responded to this: "Such unfortunate are these people that they look at you but are unable to see you", that is when they look at him they see Muhammad, the son of Abdullah, but they are unable to see Muhammad the Messenger of Allah. They perceive him as one of the sons of their Qureshi brother, a member of their clan and society who wants to rule over them and outdo everyone. But they are unable to see Muhammad the Messenger of Allah; unable to perceive the grace of the office of the Prophet-SAWS. The same realization was reflected in the prayer of the Holy Prophet-SAWS when he prayed in favour of the people of the city of Ta'if: "O Allah! Do not crush the mountain (upon them) and forgive them for they do not know; they fought against one of their neighbours, for if they knew me as Allah's Prophet they would have not behaved this way". Hence if one has the recognition and cognition of the Holy Prophet-SAWS; one Islam is the traditional Islam, which still is a billion times better than no Islam at all. Thanks to **Allah**, we were born in Muslim families; at times we offer Salat by chance, discriminate lawful against unlawful to an extent, and are also aware of death and have belief in the Day of Judgement. If **Allah** accepts, this is enough for redemption. However, redemption is another matter and to converse with Allah and HIS Beloved-SAWS, and to be enslaved in love, and to attain the longing for that union and to writhe in that desire is another matter; to just pass one's days is different. Allah has declared that HE will not forgive an infidel and HIS declaration is the Truth, but if HE does pardon an infidel, would anyone of us be able to stop him? Who could have stopped him? It is HIS decision, for HE pardons without any reason, because there is no limit to HIS forgiveness. To achieve Salvation is a great achievement. "Whoever remained safe from the Hell achieved great success". This is one thing but to experience the pain of love is something else. To die writhing in HIS love is different and to keep vigils for HIS sake and to visit mosque in HIS desire means something else. To fulfil the requirements of Salah, Hamd, Qir'at, Ruku' and Sajdah makes the prayer valid, may HE accept that; but to be able to say each and every word (of the prayer) as if facing HIM and to perform each prostration in front of HIM carries different effects. To be able to share the feelings with

(of the execution) of his dream and the Command that (he thought) he had failed to comply with, for Ismail-AS was standing there, unhurt.

It was then that Allah Kareem said: "You have fulfilled your dream. It was up to ME to replace Ismail with a ram from the Heaven. That was MY act but you have surely executed your dream". It was only a test of love. Why would **Allah** need to get people slaughtered? When we perform the ritual of sacrifice HE says (in response to it): animals' blood or flesh does not reach **Allah**; but the emotion with which you make the sacrifice. HE wants to see the state and the feelings of love with which you comply with HIS Command. It is not that your sacrificial meat will fill HIS stock or that HE is fond of animals' blood. It is not so! HE observes the feelings, the emotions and the state of Qalb with you make the sacrifice; are you just fulfilling a formality, selecting a suitable animal to sacrifice in the way of **Allah**, with your own hands.

One of the greatest proofs of the Faith is the love for Allah. Faith is synonymous with cognisance, recognition and acceptance. This cognition was accorded by Muhammad-SAWS the Messenger of Allah: the great personality who enabled a human to directly communicate with God. He-SAWS elevated a handful of dust (a human being) to the Presence of Almighty Allah. How gracious is Allah and how illustrious and gracious was HIS Messenger-SAWS! Anyone who got associated with him-SAWS, he-SAWS brought him in direct contact with Allah by telling him, 'stand with me, prostrate before Allah with me, address HIM, relate your distress to HIM, share your thoughts with HIM, as well as listen to HIM; study HIS Book to know what HE says to you.' Quran is like a letter from Allah to HIS slaves. Normally, we skim through Quran just for the sake of reward. We read through it only to add to our good deeds. That is all fine. But once a while, you should read it as a letter that has come to you from Allah. Everything written therein is for me. All (that is in the Quran) is (addressed) to me; what does the Quran expect of me, what does it stop me from and what does it command me to do? If you study the Quran like this for yourself, you will surely find it a different Quran, and if you study it only for the sake of reward, it will be a different Quran.

Some one related an incident to me that once a canal was being dug when a cemetery came in the way. It was an old cemetery with demolished graves along one side. Graves are usually earthen and get demolished in a few years time. Both the engineer and the artisan (at work) were Muslims. Of course they couldn't divert the whole canal because of the cemetery, so they decided to pass it through the part where the ground had been levelled with apparently no signs left (of any grave). But they did come across a grave; when it was dug open, it revealed a fully intact body. Shoot of a tree's root ran above its face issuing drops of a liquid into its mouth and there was immense fragrance (emanating from the grave). They were all shocked, closed the grave immediately, marked it and redirected the conduit of the canal so as to bypass it. The engineer became curious, for he thought the person (in the grave) must have done something special (in his life) because prayers and fasting is a routine of every other Muslim; there must also be some other reason. Searching, he reached the dead person's village and found that his old wife was still alive. He asked her if she ever saw her husband do something that people normally didn't do. She replied that her husband was illiterate and could not read the Quran; yet, every day he sat with Quran opened in front of him; sliding his finger over the lines, he used to say: "Allah! What YOU said here is true. Allah! What YOU said here is also true." In this manner, he verified every line of the Quran and spent hours like this every day. Abundance of recitation doesn't matter to **Allah**; HE accepted the feeling which caused that illiterate person to believe in the truth of something he could not even understand. He could not read it, didn't understand its meaning

one ever remains hungry here." It is due to his prayer that within the premises of Makkah where masses gather up to three and a half million at one time, no one feels deprived of anything. Any fruit of the world, any blessing, any dress, you name it and you shall find it here; there is no limitation of seasons, any fruit of any season, anything! No Haji can ever complain that he wanted something but didn't find it there. Such is the state of abundance that **Allah** Kareem bestows!

Anyway, you know the whole event. He dreamt that the Spring of Zam Zam had issued forth. When passing caravans saw water and flying birds, a few of them settled over there. Gradually the area started to populate. Prophet Ibrahim-AS then saw in another dream that he was slaughtering Hadhrat Ismail-AS. He went there once again; but he didn't discuss his dream with his wife, although there was no deficiency in her love or in the level of her patience. But, the capacity to comprehend Divine Revelation is an exclusive attribute of a Prophet and she was not a Prophetess; no woman has ever been a Prophetess. Therefore, the religious authority and leadership do not rest with women. Even though the women of this age have become leaders, but **Allah** hasn't granted leadership to them; there has been no Prophethood among them. The manner in which the scholars of the present time are inferring the meanings of traditions and narratives on the basis of the knowledge of Arabic language and grammar is not correct. Only that meaning of the Revelation is authentic as told by the Holy Prophet-SAWS, and as understood by his Companions who acted upon it in his presence and he-SAWS approved of. To derive any meanings based on logic, grammar or any other source is totally wrong and worthless. It is because comprehension of Revelation is the exclusive attribute of a Prophet. Here, the father is an Exalted Messenger and so is the son.

When he grew up to walk around whilst holding on to finger (of an adult); a Prophet is always a Prophet; the office of Prophet had been distributed since **eternity**, Its manifestation being a different

affair; a Prophet remains a Prophet from the Beginning to the End, he may be sent to the world at any time. Once they were out of Makkah, Prophet Ibrahim-AS told his son: "I have had a strange dream: I have dreamt that I am slaughtering you." The young Messenger of Allah replied, "Father! The dreams of a Prophet are Divine revelations. Although it is a dream, but actually you're being commanded. This dream is like a Command for you. Just do as you are being commanded. Let my being too young not deter you. I am also a Prophet of **Allah**. Allah willing you shall find me steadfast. I shall not cry out". Now this is a strange test of love: an aged father is ready to slaughter his son and an innocent child is willing to have his neck severed. Why? It is the love of **Allah** that is causing this to happen. It is Allah's will and Command, and it must come to pass. And HE is so **Independent/ Absolute** that at one point HE says: *WE revealed the dominion of the heavens and the earth before Ibrahim*, but here HE didn't tell him that it wasn't Ismail-AS who was going to be slaughtered in effect! If you tell some one that finally it is not his son but the ram that will be slaughtered and he needs to lay his son down only to imitate the act, then any one can make such sacrifice. However, none of the Prophets there was told this. The one about to be slaughtered is prepared (knowing) that it is he who shall be slaughtered and is ready to have his neck severed and so is the one who is slaughtering. Hence Prophet Ibrahim-AS ran the knife, reciting Bismillah-e Allah-o Akbar and shooting off loads of blood. It was only after the writhing body had settled that he opened his eyes to find that a ram had been slaughtered instead, whilst Ismail-AS was standing aside. Confounded, he feared what had become

gallows, but the love for power remains etched on their hearts. Devastation of the whole family, murder of father or brothers does not deter their pursuit of power. They don't stop even at that.

One of the major proofs of the Faith is that all of these innate feelings of love towards offspring, parents, friends, and to an extent towards wealth, self respect and esteem, and fame and popularity----; others with the love of knowledge who spend their lives going from place to place in the pursuit of knowledge; **Allah**. Kareem has said that one of the major proofs of the belief is that those who have the light of the Faith, love Allah to an extent that overwhelms every other shade of emotion called love. Lots of dearly things are lost but the desire to attain closeness with Allah remains undeterred. We perform the ritual of sacrifice, which apparently is a normal activity, and now a days we just complete a formality where we ask someone else to buy and perform the sacrifice on our behalf thinking it has been (properly) executed. But if we try and look deeply into (the reality of) it we shall find a strange feeling of abundance of love in this ritual. Prophet Ibrahim-AS went through a perpetual series of tests, each being more intense than the preceding one, from the time of his birth till his demise. His parents abandoned him; the king (of his time) tried to punish him and conspired to murder him. He travelled long distances. His wife Hajirah, whom he loved very much, bore him a child when his hair was silver grey. He was then commanded (by **Allah**) to abandon the mother and the child in the wilds amongst mountains to be identified by Angel Gabriele. Bait-**Allah** (the House of God) was lifted during the flood of the Noah-AS and so was Hijr-e Aswad (the Black Stone), and since the Bait-Allah had completely vanished, Prophet Ibrahim-AS rebuilt it on exactly the same foundations. But initially there used to be a hill surrounded by a brook that had many tributaries joining it with water escaping from the other end.

In deserted mountains with no flora or fauna within the immediate surroundings and no sign of water, Prophet Ibrahim-AS set off with his beloved son and beloved wife, his companion through the ups and downs of his life and his partner in every sacrifice (that came their way). The commentators of the Holy Quran have described that wherever they stationed (during the journey) Prophet Ibrahim-AS thought they had reached the destination. He would ask Angel Gabriele if that was the destination (to settle the family), and he would tell them to continue. It was after a very long journey that they reached the place where the Bait-**Allah** is now situated in Makkah. What a great servant of Allah! He left the infant and his mother with a few dates, some food and a small leather bag of water! Hadhrat Hajirah asked, "for which crime are we being punished that you are leaving us all alone in wilds? There's no water, nor the sight of any bird flying around; no tree and no other flora; scorching heat and sunshine with no shade; on whose reliance are you leaving us here?" The only sentence Prophet Ibrahim-as said was: "I am being commanded by Allah." The wife of the Prophet replied: "then HE shan't waste us!"

What strange connection was this, that with no apparent resources, no water, and no sight of birds, a woman and an infant all-alone in wilds where there was no population other than that of the predators; a desert with no signs of human population, is a home for predators. The sight of birds flying around is a common fact known referring to a shore 50-100 miles ahead in case of an ocean and to an oasis in case of a desert. But there was no sight of any bird in that place. When Prophet Ibrahim-AS departed he carried himself courageously, without any sign of weakness. Once he was out of their sight, he stood up in prayer before his Lord: "O **Allah**! I am leaving my everything in the wilds. It is only YOU who can look after them and tend them, protect them and rear them; make this place (of abandonment) a centre and raise YOUR servants in my lineage and in his. There is nothing here; may YOU provide for such abundance of subsistence that no

The Proof of Faith: Intensity of Love for Allah

Translated Speech of
His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan
Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah
Dar-ul-Irfan
05June 2006

Whoever leaves the "door" of the Holy Prophet-SAWS*, he may happen to be a so-called Muslim, develops a malicious impulse of violence and murder. Those who do Jihad for the sake of* ***Allah****'s religion and for their rights are different. They are not oppressors but they sacrifice their own lives. Jihad is distinct from carnage. I am not referring to Mujahidin. Jihad has been made obligatory since the office of the Prophet*-SAWS *and shall remain obligatory till the Day of Judgement. Jihad is for the sake of combating oppression, destruction, and for replacing the darkness of ignorance with light. But it is certainly not Jihad to bomb places of worship and to open fire on innocent people in public. It is not Jihad but is massacre, a quality synonymous with the ignorant and oppressors of every time as well as those of today.*

Those granted with the light of Faith develop the most intense and strongest (feeling of) love with Allah. It is a strange fact that love is a feeling that develops in Qalb; it is a state that casts its effects on heart and the heart (consequently) writhes (in the longing) for the beloved. But one can only develop the feeling of love in response to a particular quality (of the beloved). How can one love someone he does not know or whom he has not seen or heard? Cognisance is the prerequisite of love; knowledge and recognition (of the beloved) are necessary. One may fall for someone's voice, lips or face; one may consider some one's figure. The effects of some personalities are such that the person falling in love may not even realize the reason of his love: it may be the face or voice or any other quality but there will definitely be something that he fell for.. We all experience such (states of) love in varying degrees. We love our offspring, and even their petty problems greatly upset us; we want to give them all facilities of life. Fortunate people love their parents, whom they serve and want to see them happy in every respect. We also love our friends and at times sacrifice our life and property for the sake of friendship. During a friend's adversity, we may present to him all that we have. All this is a routine of every day life; it is not something that a person doesn't understand. Some fall in love with wealth; following its course they forget all relations; indiscriminate of lawful against unlawful; focussed solely on the acquisition of wealth, counting each penny earned or spent. Some fall in love with power for which they invest every penny they own. They may rot in jail for whole life or even reach the